

پندرہواں نمبر



2939

اللہ

کلام

مکتبہ

لاہور

2939

ناشر مسلمان اکادمی ۱۸/۲۹ محمد نگر لاہور

# حافظ نذر احمد کی چند دوسری کتابیں

## تاریخ و جائزہ

- ۱- جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان ۱۹۶۰
- ۲- جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان ۱۹۷۲
- ۳- ارض مقدس

## اسلامیات

- ۲- فلسفہ نماز
- ۵- مطالعہ قرآن و حدیث
- ۶- اسلامی نظام زندگی
- ۷- اربعین نوویؑ
- ۸- طب نبویؐ

۹- اشاریہ تفسیر ماجدی

## قدیم نصاب اسلامیات

- ۱۰- اسلامیات بی اے
- ۱۱- اسلامیات ایف اے (اختیاری)
- ۱۲- کتاب اسلامیات میٹرک (پشاور)
- ۱۳- مکمل سیٹ ٹیلر ڈیپارٹمنٹ کلاسز

## ادب و ادبیات

- ۱۴- مقالات یوم شبلی
- ۱۵- فرہنگ عصریہ (مسودہ)
- ۱۶- کنوینشن اور غاریں (مسودہ)

رہنمائے حج

حج ڈائری

# مسئلہ کادیمی

۲۹ محمد نگر علامہ اقبال روڈ لاہور  
۱۸

باسمہ سبحانہ

بچوں کے لیے

# اللہ کے حکم

{ ۴۰ }  
{ امر }  
{ نہی }

مرتبہ: حافظ نذر احمد

ناشر  
مسلم احادیثی ۲۹  
محمد نگر لاہور  
تعمیر القرآن لٹریسٹ گوبرنوالہ پھاؤنی  
برائے

85963

~~68463~~

کتاب : اللہ کے احکام

مؤلف : حافظ نذیر احمد

پرنسپل شبلی کالج ، لاہور

اشاعت : ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

مئی ۱۹۷۳ء

صفحات : ۹۶

قیمت : ~~ایک روپیہ~~ ۲۱

تدریس القرآن ٹرسٹ گوجرانوالہ چھاؤ کی طرف سے

حسبہ اللہ

مسلم اکادمی

ناشر :

نذر منزل  $\frac{۲۹}{۱۸}$  محمد نگر۔

لاہور

محوود پرنٹرز ، لاہور

طابع :

۴

# عرض مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ  
 وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَجَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْخٰلِقِ اَجْمَعِيْنَ

اسی ارشادات الہی پر مشتمل چند صفحات کا یہ کتابچہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ بچوں کے لئے، ان کے حسب حال، اور ان کی زبان میں ۲۰ اور ۲۰ نوایں پیش کئے گئے ہیں۔ مخدوم و محترم الحاج شیخ محمد یوسف سیٹھی صاحب تعلیم القرآن ٹرسٹ گوجرانوالہ چھاؤنی کے ایماء اور مشورہ سے بندہ نے اس کام کا آغاز کیا۔ الحمد للہ اس وقت تک کسی دین کتاب میں لکھ چکا ہوں۔ جب یہ لکھنے بیٹھا تو اسے بالکل آسان کام سمجھا لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ میرے لئے یہ انتہائی دشوار کام ثابت ہوا۔ کلام اللہ میں سے ۸۰ احکام کا انتخاب کرنا، اور باقی کو چھوڑ دینا، اور یہ طے کرنا کہ کس امر اور کس نہی کو شامل کروں؟ پھر کس کو مقدم رکھوں، اور کس کو بعد کے صفحات میں لکھوں؟ میری قوت فیصلہ سے باہر ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اللہ جل شانہ کا ہر امر ضروری، اور ہر نہی لازمی ہے۔ کسی امر و نہی کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ اور کسی ارشاد الہی کو کم اہم سمجھنا کسی طور جائز نہیں۔

یہی گذارش قارئین کرام! اپنے عزیز اور پیارے بچوں سے ہے۔ یہ ۸۰ ارشادات الہی بچوں کی عمر، استعداد، اور فوری توجہ کو سامنے رکھتے ہوئے ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ پورے کلام اللہ کو سینے سے لگائیے، از اول تا آخر زندگی کے معمول میں داخل کیجئے۔ کہ یہی سب سے آسان اور محفوظ طریقہ ہے۔ اور اس کے بغیر دنیا و آخرت میں کہیں بھی اور کسی کی بھی کامیابی ممکن نہیں۔

کتاب میں ہر امر اور نہی کو پوری احتیاط اور حوالے کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی ہر آیت کے بعد سورۃ کا نام۔ سورۃ کا نمبر۔ اور آیت کا نمبر درج ہے۔

اللہ کریم ہیں اپنے کلام برحق کا ہم عطا فرمائے اور اپنی مرضی و منشا کے مطابق چلنے کی توفیق عطا

فرمائے ————— و بیدہ التوفیق

یکم محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

۵ فروری ۱۹۷۳ء

حافظ نذیر احمد

## پیش لفظ

انحضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب، مستم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

موجودہ زمانے میں جس انداز سے اسلام کی قدروں کی پائمانی ہو رہی ہے۔ وہ انتہائی تشویشناک ہے۔ جس کے اثرات زیادہ تر قوم کے فوہنالوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے معصوم اذہان کے اندر ابستداعی سے جو نہ ہر گھولا جاتا ہے وہ مستقبل قریب ہی میں ان کی قومی غیرت کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ موجودہ نصاب تعلیم کی خرابی ہے۔ جس کی وجہ سے ہر طرف بے راہ روی کا ماحول پھیلا ہوا ہے۔ اس خلاء کو پُر کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ بچوں کے ذہنوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی سے پوری طرح منور کیا جائے۔

محترم جناب حافظ نذرا احمد صاحب پرنسپل شبلی کالج کا ۸۰ آیات قرآنیہ کا مفید ترین انتخاب جوں جوں پڑھتا گیا حافظ صاحب کی شخصیت ایک سچے مصلح قوم اور پُر خلوص ہمدرد ملت کی حیثیت سے نمایاں ہوتی رہی۔ ان کا سوزِ قلب کتاب کے ہر ہر لفظ سے نمایاں ہے۔ اس کتاب کے ہر عنوان کو گھر کا ہر فرد ابتداء تا انتہا زبانی یاد کر لے پھر محاسبہ بھی کرتا جائے کہ آج میں نے اپنی زندگی کو اس کے مطابق کتنا ڈھالا ہے۔ کتاب انتہائی مفید اور عملی زندگی کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو جملہ مسلمانوں کے لئے آخرت کا سرمایہ بنائے۔

# مقدمۃ الكتاب

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى

اما بعد۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا کو جس قدر نعمتیں دی گئی ہیں، ان کے دوسرے حصے ہیں۔

قرآن کریم اور سنت ختم نبوت، ان دوسرے حصوں سے جو دین تیار ہوا ہے وہ ”دین اسلام“ ہے، اسلام وہ اعلیٰ ترین دین ہے جس میں ساری کائنات کا مفاد پیش نظر رکھا گیا ہے اور جس سے ہر دور کے سارے انسان رہنمائی پا سکتے ہیں۔

اسلام کے راہنما اصولوں سے عملی طور پر صحابہ کرام کا ایک مثالی معاشرہ قائم ہوا اور اس سے روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ نوع انسانیت کے لئے دائمی امن و سلامتی کا ضامن صرف اسلام ہے، اور ”اسلام“ کے ہوتے ہوئے اب کوئی دوسرا دین قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہوا کہ قیامت تک اس دین اسلام کو محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔

”اسلام“ کی حفاظت اور دوام و بقا کی ذمہ داری اور اس کی اشاعت و دعوت کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے تنہا امت مسلمہ کو سونپ دیا ہے۔ اب اسلام کی حامل امت مسلمہ کا فرض قرار پایا کہ وہ اپنے نبی کی پیروی میں ساری دنیا کی قوموں کے سامنے دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے اور نوع انسانی کی صلاح و فلاح کا ذمہ لے۔

خیر القرون یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے مبارک دور تک یہ فرض پورا ہوتا رہا، جس کے طفیل ایک ہزار سال تک امت مسلمہ کی شان و شوکت کا وہ عالم تھا کہ پوری دنیا میں کوئی قابل ذکر سلطنت ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کے زیر اثر نہ ہو۔

رکتانہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

صالحین و مصلحین کا وجود ہر دور میں رہا لیکن آج نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ کچھ مسلمان زادے

اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے میں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہر طرف سے مسلمانوں پر فتنوں کے طوفان گر رہے ہیں۔  
 برصغیر کے آخری عہد میں اللہ تعالیٰ نے خاندانِ دلی اللہی کو قطبیت عطا فرمائی تھی اور اصلاح امت کی خدمت  
 اس خاندان کے سپرد ہوئی تھی۔ اس خاندان کی تصنیفی خدمات رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ اس خانوادہ کا فیض  
 ہے کہ آج تک علماء امت لادینیت اور وہریت کے فتنوں کی سرکوبی کر رہے ہیں۔ اسلام کے احیاء کے لئے علمی  
 پہلو کے ساتھ ساتھ عملی پہلو از بس ضروری تھا یہ کام اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان سے فیض یافتہ ایک شخصیت  
 حضرت شاہ محمد ایاس دہلوی سے لیا۔ جنہوں نے عملی پہلو کے اعتبار سے ”دعوت الی اللہ“ کا بھولا ہوا سبق  
 امت کو پھر سے یاد کرا دیا۔ بفضلہ تعالیٰ اس دینی تحریک کے ثمرات و نتائج بھی عرب و عجم میں سامنے آرہے ہیں  
 (اللہم زدنا منہما) ہمارے معاشرہ کے بگاڑ کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نئی نسل کی تربیت سے یکسر غافل ہیں  
 حتیٰ کہ دیندار طبقہ بھی اپنے گھر کی اصلاح سے لاپرواہ ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریک مستقبل سے بچنے کی کیا صورت ہو؟ وہ صرف یہ ہے کہ نئی نسل کی تربیت  
 کی طرف توجہ دی جائے اور حاضر میں یہ کام اللہ تعالیٰ نے الحاج سیٹھی محمد یوسف صاحب دامت  
 برکاتہم سے لیا ہے۔ جنہوں نے عرب و عجم میں قرآنی مکاتب کا جال پھیلا کر نئی نسل کو قرآن کریم سے لگا دیا۔  
 اور ساتھ ہی ساتھ ان کی اصلاح کے لئے تالیف و تصنیف کے نئے باب کا آغاز کیا۔

اس مقصد کے تحت بچوں کو قرآنی ادا مردنواہی سے آشنا کرنے کے لئے جناب حافظ نذرا احمد پرنسپل شہلی کالج  
 لاہور کی ذات گرامی نے قلم اٹھایا۔ حافظ صاحب کی شخصیت علما و دین میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ موصوف قبل  
 ازیں متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب ان کا نڈہ شاہکار ہے، اس کتاب کو میں نے ابتدا سے انتہا تک  
 دیکھا۔ فاضل مؤلف نے بچوں کے لئے پہلے پہل جن ادا مردنواہی کا انتخاب کیا ہے، نہایت مناسب ہے،  
 آیات کی تشریح و تعبیر آسان پیرائے میں کی گئی ہے۔ عبارت سادہ اور سلیس ہے۔ انداز مثبت اور دل نشین  
 ہے، مضامین صحیح ہیں۔ فاضل مؤلف کی یہ کاوش برحاطہ سے مفید ہے لیکن بالخصوص بچوں کو قرآنی احکام کے  
 قریب کرنے میں زیادہ معاون ہوگی، اللہ تعالیٰ محرک اور مؤلف دونوں کی مساعی جمیلہ کو بلا اور کرے اور اجر عظیم عطا  
 فرماوے۔ آمین۔  
 امیدوار رحمت

(حضرت مولانا) جن پیر الہاشمی عفی اللہ عنہ۔ حرمیلیاں۔ ہزارہ



# فہرست اوامر

صفحہ	نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار
۳۳	۲۱	۱۳	۱
۳۴	۲۲	۱۲	۲
۳۵	۲۳	۱۵	۳
۳۶	۲۴	۱۶	۴
۳۷	۲۵	۱۷	۵
۳۸	۲۶	۱۸	۶
۳۹	۲۷	۱۹	۷
۴۰	۲۸	۲۰	۸
۴۱	۲۹	۲۱	۹
۴۲	۳۰	۲۲	۱۰
۴۳	۳۱	۲۳	۱۱
۴۴	۳۲	۲۴	۱۲
۴۵	۳۳	۲۵	۱۳
۴۶	۳۴	۲۶	۱۴
۴۷	۳۵	۲۷	۱۵
۴۸	۳۶	۲۸	۱۶
۴۹	۳۷	۲۹	۱۷
۵۰	۳۸	۳۰	۱۸
۵۱	۳۹	۳۱	۱۹
۵۲	۴۰	۳۲	۲۰

# نوامی

صفحہ	نمبر شمار	صفحہ	نمبر شمار
۷۵	۲۱	۵۵	۱
۷۶	۲۲	۵۶	۲
۷۷	۲۳	۵۷	۳
۷۸	۲۴	۵۸	۴
۷۹	۲۵	۵۹	۵
۸۰	۲۶	۶۰	۶
۸۱	۲۷	۶۱	۷
۸۲	۲۸	۶۲	۸
۸۳	۲۹	۶۳	۹
۸۴	۳۰	۶۴	۱۰
۸۵	۳۱	۶۵	۱۱
۸۶	۳۲	۶۶	۱۲
۸۷	۳۳	۶۷	۱۳
۸۸	۳۴	۶۸	۱۴
۸۹	۳۵	۶۹	۱۵
۹۰	۳۶	۷۰	۱۶
۹۱	۳۷	۷۱	۱۷
۹۲	۳۸	۷۲	۱۸
۹۳	۳۹	۷۳	۱۹
۹۴	۴۰	۷۴	۲۰

اللّٰهُمَّ كَعْلَم

قرآن حکیم کے ۴۰ امر

فان الله  
هو الغني  
الغني

## (۱) میرے راستے پر چلو

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ  
عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام ۶ : ۱۵۲)

”اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ اسی پر چلو۔ (دوسرے) راستوں پر نہ پڑ جاؤ۔ کہ تمہیں اللہ کے  
راستے سے تتر بتر کر دیں گے۔ اللہ تمہیں اسی کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“

عزیز بچو! اللہ پاک نے اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسلام  
کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں۔ کہ یہی راستہ ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی کی منزل تک پہنچا دے گا۔ اسلام  
کا راستہ سیدھا راستہ ہے۔ اسی کی دعائیں صبح و شام اور دن رات ہر نماز میں کرتے ہیں۔ بلکہ ہر نماز کی ہر  
رکعت میں یہی کہتے ہیں۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ (۱۷۱) اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔“

اسلام کے سوا ہر راستہ ٹیڑھا ہے۔ غلط ہے۔ خطرناک ہے اور مشکل ہے۔ اسلام کے سوا ہر راستہ  
غلط منزل پر لے جائے گا۔ اور دین اسلام کے تعلیم سے ہٹ جانے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سب تتر بتر ہو  
جائیں گے۔ چونکہ سیدھا راستہ صرف ایک ہوتا ہے۔ اور ٹیڑھے راستے لاتعداد ہوتے ہیں۔  
سیدھے راستے پر چلنے والے محفوظ اور اکٹھے رہتے ہیں۔ لیکن اس سے محروم ہو جانے والے غلط اور خطرناک  
راہوں پر پڑ جاتے ہیں۔ اور اپنی منزل کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ سب لوگ سراسر گھائے میں رہتے ہیں جیسا کہ  
ارشاد الہی ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ  
يَقْبَلَ مِنْهُ ۖ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ  
مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا  
طلبگار ہوگا۔ وہ اس سے سرگرم قبول نہیں کیا  
جائے گا۔ اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے  
والوں میں ہوگا۔

(آل عمران ۳ : ۸۵)

فصل  
در بیان  
اصول  
و قواعد  
و ضوابط  
و مقررات  
و احکام  
و عادات  
و سنن  
و تقالید  
و آداب  
و اخلاق  
و فرائض  
و حقوق  
و تکالیف  
و حدود  
و مجازات  
و تنزیهات  
و تهنیتهای  
و تحقیرات  
و تکریمات  
و تملیحات  
و تملیحات  
و تملیحات

## (۱) میرے راستے پر چلو

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ  
عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَلَّيْتُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام ۶ : ۱۵۲)

” اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ اسی پر چلو۔ (دوسرے) راستوں پر نہ پڑ جاؤ۔ کہ تمہیں اللہ کے  
راستے سے تتر بتر کر دیں گے۔ اللہ تمہیں اسی کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“

عزیز بچو! اللہ پاک نے اسلام کو اپنا پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسلام  
کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں۔ کہ یہی راستہ ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی کی منزل تک پہنچا دے گا۔ اسلام  
کا راستہ سیدھا راستہ ہے۔ اسی کی دعائیں صبح و شام اور دن رات ہر نماز میں کرتے ہیں۔ بلکہ ہر نماز کی ہر  
رکعت میں یہی کہتے ہیں۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ (اے اللہ) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔“

اسلام کے سوا ہر راستہ ٹیڑھا ہے۔ غلط ہے۔ خطرناک ہے اور مشکل ہے۔ اسلام کے سوا ہر راستہ  
غلط منزل پر لے جائے گا۔ اور دین اسلام کے تعلیم سے ہٹ جانے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سب تتر بتر ہو  
جائیں گے۔ چونکہ سیدھا راستہ صرف ایک ہوتا ہے۔ اور ٹیڑھے راستے لاتعداد ہوتے ہیں۔  
سیدھے راستے پر چلنے والے محفوظ اور اکٹھے رہتے ہیں۔ لیکن اس سے محروم ہو جانے والے غلط اور خطرناک  
راہوں پر پڑ جاتے ہیں۔ اور اپنی منزل کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ سب لوگ سراسر گھائے میں رہتے ہیں جیسا کہ  
ارشاد الہی ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ  
يَقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ  
مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا  
طلبگار ہوگا۔ وہ اس سے سرگز قبول نہیں کیا  
جائے گا۔ اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے  
والوں میں ہوگا۔

(آل عمران ۳ : ۸۵)

## (۲) اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً مِّنْ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝  
(البقرہ ۲: ۲۰۸)

اے مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے پیچھے نہ لگو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام کے لفظی معنی ہیں گردن جھکا دینا۔ یعنی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا۔ اپنے آپ کو اللہ کریم کے حکموں کے حوالے کر دینا۔ ہر ایک کام اللہ کے حکم اور مرضی کے مطابق کرنا۔ اور یہ انسان کے لئے سب سے بہتر، سب سے محفوظ، اور سب سے آسان طریقہ ہے۔

جو بچے گھر میں ماں باپ کا کہا مانتے ہیں وہ ان کی آنکھوں کا تار بنتے ہیں۔ جو طالب علم مدرسہ اور سکول میں اپنے استادوں کے اشارے پر چلتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور جب ہم سب زندگی بھر، پورے پورے اللہ کے حکموں پر چلیں گے تو یقیناً دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ کیونکہ اللہ پاک کا ہر حکم ہماری بھلائی اور فائدے کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آج تک ہر نبی و رسول کو ہر قوم اور ہر امت کو یہی حکم دیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا۔

اذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ  
أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝  
(البقرہ ۲: ۱۳۱)

جب ابراہیم کو اس کے رب نے فرمایا اسلام  
لے آؤ۔ تو اس نے کہا میں رب العالمین کے  
آگے سراطاعت جھکاتا ہوں۔

دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور (ان کے پوتے) یعقوب نے بھی یہی وصیت کی۔ میرے بیٹے! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین چنا ہے۔ تم نہ مرنا مگر صرف اسلام پڑ (البقرہ ۲: ۱۳۲)

اؤ! ہم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔



## (۳) قرآن مجید پڑھا کرو

فَاقْرَأْ وَرَأَىٰ مَآ تَيْسَّرُ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ

”پس جس قدر آسانی سے ہو سکے قرآن مجید پڑھا کرو۔“ (المزمل ۳ : ۲۰)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے اتری ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اور ان کی لائی ہوئی یہ کتاب آخری کتاب ہے۔ قرآن حکیم ایسی کتاب ہے جس کی ہر ایک بات شک و شبہ سے بالا ہے۔ اس کی تعلیم سچی۔ اس کے اصول درست۔ اس کی وی ہوئی خبریں حقیقی، اس کی پیشین گوئیاں سچی، اور اس کے بتلائے ہوئے طریقے صحیح۔ خود اللہ پاک نے فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ اَسْ كِتٰبٍ مِّنْ كُتُبِ الشُّكُوْبِ ۙ (البقرہ ۲ : ۲)

یہ کلام اللہ کی پہلی آیت ہے۔ اس کے ساتھ اس ارشاد الہی کو بھی ذہن میں رکھیے۔ ”اگر تم کو اس کتاب پر کچھ شک ہو۔ جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے۔ تو اس جیسی تم کوئی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ اور بیشک اپنی مدد کے لئے اپنے ساتھیوں کو بھی بلاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔“ ساتھ ہی تنبیہ کر دی۔ ”پھر اگر نہ بنا سکو۔ اور تم ہرگز نہ بنا سکو گے تو جہنم کی اس آگ سے ڈرو جو انکار کرنے والوں کے تیار کی گئی ہے۔“

(البقرہ ۲ : ۲۳ و ۲۴)

عزیزو! اس کتاب کو نازل ہوئے چودہ سو سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ کوئی شخص اس کے مقابلہ کی کوئی ایک سورۃ بھی نہیں بنا سکا ہے۔ لہذا سب کو یہی کتاب پڑھنی چاہیے۔ کسی اور کتاب سے ہدایت نہیں ملے گی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاِنَّ تَذٰهَبُوْنَ ۙ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ  
لِّلْعٰمِيْنَ ۙ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ  
اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۙ

پھر تم کہہ جا رہے ہو؟۔ یہ تو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے۔ یعنی ہر اس شخص کے لئے جو سیدھی چال چلنا چاہتا ہے۔“

(التکویر ۸۱ : ۲۶ تا ۲۸)

## (۴) قرآن پاک خوش ہوں

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝

(اے نبی!) کہہ دیجئے (یہ قرآن) اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ اس کو پا کر خوش ہوں۔

لوگ جو کچھ جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ یہ ان سے کہیں بہتر ہے۔ (یونس ۱۰: ۵۸)

قرآن حکیم اللہ پاک کا آخری کلام ہے۔ اس کا خود اعلان ہے، فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ۔ اس میں لوگوں

کے لئے شفا ہے۔ یہ اللہ کی رحمت کا پیغام ہے۔ ہماری دنیا سنوارنے اور آخرت کی زندگی بہتر بنانے کے

لئے نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی رحمة العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا

فَبَشِّرْ بِعِبَادِي الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ

میرے ان بندوں کو جو سخی سنا دو جو بات سنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ

اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ ۗ

لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ اور یہی

عقل مند ہیں۔ (الزمر ۳۹: ۱۸)

یہی بات اللہ کریم نے بار بار فرمائی ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان شفیق ہے۔ اس کا نامہری

رؤف اور رحیم ہے۔ وہ فرماتا ہے "یہ لوگوں کے لئے واضح بیان ہے۔ اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت

ہے۔ (آل عمران ۳: ۳۸)

اسی طرح اس نے فرمایا ہے۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ ۖ

اور یہ کتاب ہمیں نے آماری ہے۔ برکت والی۔ سو تم اس

کی پیروی کرو۔ (الانعام ۶: ۱۵۵)

فَاتَّبِعُوهُ ۖ

ہمارے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہوگی۔ کہ اس نے ہمیں اپنے نبی کی امت میں پیدا کیا۔

اور ہمیں قرآن حکیم جیسی نعمت عطا فرمائی۔ حقیقی خوشی اور خوشی کا اصلی شکریہ یہ ہوگا کہ ہم اس کے

مطابق عمل کریں۔ اور اپنی زندگی اس کے احکام کے مطابق بنالیں۔ یہ بڑا ہی بہتر اور بہت ہی آسان

کام ہے۔ صرف ارادہ اور اس پر عمل کی ضرورت ہے۔

## (۵) اللہ رسول کی اطاعت کرو

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔ اگر تم مؤمن ہو۔ (الانفال ۸: ۱)

مسلمان اللہ مؤمن ہونے کے معنی یہی ہیں۔ کہ ہم اللہ اور اس کے رسول برحق (فداہ الی داری) کے حکم ماننے ہوں۔ ان کی پوری پوری فرماں برداری کرتے ہوں۔ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود اللہ رسول کی باتیں نہ ماننا اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت

کرتا ہے۔ تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔

(الانفال ۸: ۱۳)

آپ سوچیں گے کہ ہم اپنے ایمان کو کیسے درست کریں؟ اور یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم واقعی سچے مومن ہیں۔ اس کا جواب خود اللہ کے کلام پاک میں موجود ہے۔ اور پر والی پہلی آیت کے بعد کا حصہ پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ..... ”مؤمن تو وہ ہیں۔ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنانی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (نیک کاموں پر) خرچ کرتے ہیں“۔ اس کے بعد فرمایا۔ اُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔ ”یہی سچے مومن ہیں۔ پروردگار کے ہاں ان کے بڑے بڑے درجے ہیں بخشش ہے۔ اور بڑی عزت کی روزی ہے۔“

(الانفال ۸: ۲ تا ۴)

دیکھا آپ نے۔ یہ ہے اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

و فرماں برداری کا اجر۔

اور یہ ہیں ایمان والے فرماں بردار بندوں کی نشانیاں۔

## (۶) اللہ سے مانگو

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

تم مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (المؤمن ۴۰: ۶۰)

یہ سورہ مؤمن کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ یہ پوری آیت ہی پڑھنے اور ہر دم یاد رکھنے کے قابل ہے۔ شروع یہاں سے ہوتی ہے وَقَالَ رَبُّكُمْ — اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے تم مجھ سے دعا کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ جو لوگ تکبر و غرور کے سبب میری عبادت سے کتراتے ہیں۔ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المؤمن ۴۰: ۶۰)

اللہ پاک کا کس قدر بچتہ وعدہ ہے کہ تم مانگنے والے بنو۔ میرے در سے خالی ہاتھ نہ لوٹو گے۔ اُس سے مانگنے کے لئے کسی خاص وقت اور کسی خاص جگہ کی قید نہیں۔ وہ ہر دم اور ہر جگہ موجود ہے اور ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ہر بندہ کی پکار سنتا ہے ہر چھوٹے بڑے کی دعا قبول کرتا ہے اللہ پاک نے اپنے نبی کریم (فداہ ابی داحی) کو فرمایا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ  
أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ  
فَلِيَسْتَجِيبُوا لِي وَالْيَوْمَ مِنْ أَوْجُهِنَا  
يَسْأَلُونَ ۝

اے میرے نبی! جب میرے بندے تم سے  
میرے بارے میں دریافت کریں تو دانا نہیں بتلاؤ  
میں (اُن کے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے  
والا مجھ پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول  
کرتا ہوں۔ سو انہیں چاہیے کہ میرے حکموں کو

مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (البقرہ ۲: ۱۸۶)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہم اپنا ایمان پختہ کر لیں۔ اور اس کے حکموں کی اطاعت کریں تو اس کا وعدہ ہے کہ وہ ہماری دعائیں ضرور قبول فرمائے گا۔ کیوں نہ ہو؟ وہ تو ہماری شرک سے زیادہ قریب ہے۔ اور ہمارے ماں باپ سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔ اور ہم سب ہر دم اس سے مانگیں۔

## (۷) اللہ سے ڈرو

وَالْتَقُوا اللَّهَ لِعَلَّكُمْ تَقْلِحُونَ ۝

اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم مراد حاصل کرو۔ (آل عمران ۳ : ۲۰۰)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں تقویٰ کے معنی ہیں۔ اللہ سے ڈرنا۔ اس کا خوف دل میں رکھنا۔ اس کے سامنے جواب دہ ہونے کا احساس اپنے دل میں پیدا کرنا۔ اس لئے تقوے کا ترجمہ پرہیزگاری بھی کیا جاتا ہے کیونکہ جس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے گا۔ وہ ہر کام پوری احتیاط اور کامل ذمہ داری سے کرے گا۔

”تقویٰ“ ایمان اور اسلام کی جڑ ہے۔ ساری نیکیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں اور انسان کی پوری زندگی اسی سے سنورتی ہے۔ وَالْتَقُوا اللَّهَ د اللہ سے ڈرو کا حکم قرآن مجید میں سولہ بار آیا ہے۔ متقین کا ذکر، ان کی صفات کا بیان، اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کلام اللہ میں ۶۴ جگہ ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر عبادت کا بڑا مدعا یہی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کے اندر تقوے کی صفت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ روزہ اور حج جیسی عبادتوں کا حکم دینے کے بعد ارشاد الہی ہوا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ” تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔“ سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک پرہیزگاری اور خدا خوفی دل میں نہ پیدا ہوگی کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ خوبی پیدا ہو جائے تو اس سے ہزار خوبیاں حاصل ہو جائیں گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا  
وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

دلوں میں نور اور توفیق پیدا کر دے گا جس سے

تم حق و باطل میں امتیاز کر سکو گے اور تمہارے

گناہ مٹا دیگا اور تمہاری بخشش فرما دے گا۔

(الأنفال ۸ : ۲۹)

## (۸) اللہ پر بھروسہ رکھو

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُواْ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝

سو اس پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو (یونس ۱۰: ۸۴)

توکل "ایک مسلمان کی بہت بڑی خوبی ہے۔ جس کے لئے اللہ کریم نے بار بار اسے حکم دیا ہے اور کچھ نہیں تو قرآن مجید میں بیس اکیس جگہ توکل کا ذکر ہوا ہے۔ اور مختلف طریقوں سے اس کی خوبیوں کا بیان ہوا ہے۔

اللہ پاک نے خود اپنے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔  
فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ  
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝  
جب تو ارادہ کرے۔ تو اللہ پر بھروسہ رکھ۔  
بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

(آل عمران ۳: ۱۵۹)

توکل "کیا ہے؟ اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ اس کی رحمت سے پر امید رہنا، مشکلات کے باعث کامیابی کی طرف سے یا یوس نہ ہونا۔ جدوجہد کرنے کے بعد اپنی کامیابی و ناکامی اللہ پر چھوڑ دینا اور شریعت کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اسباب کے ماتحت پوری ہمت کے ساتھ کوشش کرنا، لیکن اس کوشش کا نتیجہ اللہ کے حوالے کر دینا، اس لئے کہ نتیجہ اور انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کوشش ہمارا فرض ہے، اسے بامراد بنانا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی یقین کا نام توکل ہے۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ " اور تو اس خدائے زندہ پر بھروسہ رکھ جو مرنے والا نہیں۔ (الفرقان ۲۵: ۵۸) چنانچہ دو جہان کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ " اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ (التوبہ ۹: ۱۲۹)

عزیزو! توکل یہ نہیں کہ خود کچھ نہ کریں اور کامیابی کی امید رکھیں۔ اسباب کو کام میں نہ لائیں اور اچھے نتیجہ کی اس نگاہ بیٹھے رہیں۔ ہمارے حضور (فداہ ابی و امی) نے فرمایا "پہلے اپنے اونٹ کے پاؤں باندھو (کہ وہ بھاگ نہ جائے)، پھر اللہ پر بھروسہ کرو (اور بے فکر ہو جاؤ)۔"

# (۹) نماز قائم کرو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَقِمِ الصَّلٰوةَ

اے بیٹے! نماز قائم رکھنا (پابندی سے ادا کرنا) (لقمن ۳۱: ۱۷)

نماز دین کا ستون ہے۔ نماز ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس کا ادا نہ کرنے والا فاسق و فاجر ہے۔ (اور خدا نہ کرے) کوئی انکار کرے تو دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ نماز کفر اور اسلام کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ جو دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کا حکم ہر نبی کو دیا گیا۔ اور ہر نبی نے اپنی امت کو اس کی تاکید کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ذُرِّيًّا مُّبِيْنًا وَّلَقَبَلْ دُعَاۗءُ ۝ ۱۷ اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب!

میری دعا کو قبول فرمے۔ (ابراہیم ۱۴: ۳۹)

حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسمعیل کے بارہ میں قرآن مجید کی گواہی ہے كٰنَ يٰۤاَمْرًا اَهْلًا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ”وہ اپنے بال بچوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے“ (مریم ۱۹: ۵۵) حضرت لقمن نے بھی اپنے بیٹے کو یہی وصیت کی تھی۔

حضرت عیسیٰ نے اپنے بارہ میں خود بتلایا ہے اَوْصِنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

حَيًّا ”مجھے نماز اور روزہ کی تاکید کی گئی ہے جب تک میں زندہ ہوں“ (مریم ۱۹: ۳۱)

حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد الہی ہوا وَاْمْرًا اَهْلًا بِالصَّلٰوةِ

وَاَصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۝ اور اپنے گھر والوں کو نماز قائم کرو۔ اور اس پر قائم رہو۔ (طہ ۲۰: ۱۳۲)

جس عبادت کا حکم تمام نبیوں اور رسولوں کو ہوا۔ اگر ہم اس سے غافل ہو گئے

تو بڑے نقصان کی بات ہوگی۔ ”کامیاب ہیں وہ اہل ایمان جو اپنی نمازوں کی حفاظت

کرتے ہیں۔“ (سورہ مومنون ۲۳: ۱)

اللہ ہمیں ان کامیاب بندوں میں شامل ہونے کی توفیق بخشنے۔ (آمین)

## (۱۰) تم پر روزہ فرض کیا گیا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ  
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر  
فرض کیا گیا تھا۔ تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ (البقرہ ۲: ۱۸۳)

ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت  
میں ارشاد ہوا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ — "رمضان کا مہینہ  
ہے۔ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کا رہنما ہے۔ جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں۔ جو حق و  
باطل کو الگ کرنے والا ہے۔ تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔"  
(البقرہ ۲: ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ نے مسافر اور مریض کو اجازت دی ہے کہ وہ بعد میں قضا کر لیں یعنی وہ جس قدر روزے  
رمضان میں نہ رکھ سکیں سفر سے واپسی پر اور بیماری سے صحت پانے کے بعد دوسرے دنوں میں  
رکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے آسانی چاہتے ہیں۔ تنگی اور دشواری نہیں چاہتے۔  
روزے سے بے شمار جسمانی اور روحانی، اخلاقی اور معاشرتی فائدے حاصل

ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو فوائد کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ  
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ — (تاکہ تم پر ہیزگار ہو جاؤ۔ دوسرے یہ کہ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ  
(تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ) جو شخص روزہ میں صبح سے شام تک بھوک پیاس  
برداشت کرے گا۔ اپنی نفسانی خواہش کو دبائے گا۔ جھوٹ، بدگوئی اور برے  
کاموں سے بچے گا۔ وہ یقیناً پرہیزگار، اور شکر گزار بن جائے گا۔ یہ سب روزہ  
کی برکتیں اور اس کے پھل ہیں۔



## (۱۱) حج کس پر فرض ہے؟

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط  
 وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ه

”اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو بیت اللہ تک جانے کا مقدور رکھتا ہے۔  
 وہ اس کا حج کرے۔ اور جو انکار کرے گا (وہ جان لے) اللہ تمام جہانوں سے

بے نیاز ہے۔“ (آل عمران ۳: ۹۷)

دنیا کے عبادت خانوں میں سب سے پرانا اور سب سے پہلا عبادت خانہ بیت اللہ ہے۔ جسے خانہ کعبہ بھی  
 کہتے ہیں۔ تقریباً پانچ ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی تھی۔  
 اللہ پاک نے اپنے گھر کو ایسی برکت بخشی کہ یہ دنیا جہان کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اعلان

خود حضرت ابراہیم سے ان الفاظ میں کرایا

وَاذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يٰٓاَيُّهَا  
 رَجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يٰٓاَتِيْنَ  
 مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ه

اور لوگوں کے درمیان حج کی منادی کرادو  
 کہ تمہارا ہر طرف رخا نہ کعبہ کے حج کے لئے (پیدل اور  
 بڑے پتلے اونٹوں پر) سوار ہو کر) چلے آئیں جو دور  
 دراز کے راستوں سے آئیں گے (الحج ۲۲: ۲۷)

الحمد للہ ان جہی ہر سال دنیا کے ہر ملک سے، ہر قوم اور ہر نسل والے، ہر رنگ اور ہر زبان والے  
 دور دراز گوشوں سے اللہ کے گھر کا حج کرنے آتے ہیں۔ اور اسلامی برادری، مساوات اور بھائی چارے  
 کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہاں چھوٹے بڑے، امیر غریب، شاہ و گدا غرض کسی میں کوئی تمیز  
 نہیں ہوتی۔ سب کا مہبود ایک، سب کا رسول ایک، سب کی کتاب ایک، سب کا قبلہ ایک  
 اور میاں آکر سب کا لباس بھی ایک ہو جاتا ہے۔

دنیا میں حج جیسا مقدس اور بابرکت اجتماع کبھی نہیں۔ مبارک ہیں وہ جنہیں حج کی  
 توفیق ملے۔ اور جنہیں حج کی سعادت میں نصیب ہو جائے۔

## (۱۲) جہاد میں شریک ہو

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا  
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

اور اللہ کی راہ میں تم ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرنا کہ اللہ  
زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (البقرہ ۲ : ۱۹۰)

جب کسی ملک میں امن و امان ختم ہو جائے۔ لوگوں کی جان و مال اور آبرو محفوظ نہ رہے یا کہیں دین خطرہ میں  
پڑ جائے اور مسلمانوں کو مذہب پر عمل کرنے سے روکا جائے۔ تو امن و امان قائم کرنے کے لئے اور دین و ایمان کی  
حفاظت کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کفار اور دشمنان ملک و ملت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دیں  
تو اسلامی ریاست کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

وَقَاتِلُوا أَهْمَ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً  
وَيَكُونَ لِلدِّينِ لِلَّهِ ۝

اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو  
یہاں تک کہ فتنہ فساد ناپویدہ ہو جائے اور

(البقرہ ۲ : ۱۹۳) (ملک میں) اللہ کا دین جاری ہو جائے۔

جب جہاد کا اعلان ہو جانے تو اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق جہاد میں حصہ لینا ہر مسلمان پر فرض  
ہو جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے اردھاڑ اور لوٹ مار کا نام جہاد نہیں ہے۔ یہ تو ایک مقدس فرض ہے جس کا مقصد  
ہی امن و امان کا قیام اور دین کی آزادی و بحالی ہے۔

جنگِ شامانِ جہاں غارت گری است جنگِ مومن سنتِ پیغمبرِ لیست

سورہ صف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کا پتہ نہ بتلا  
دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلا دے؟ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی  
راہ میں مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ  
تمہارے گناہوں کی معفرت کا ذریعہ اور جنت کے اعلیٰ مقامات کا سبب بنے گا۔ فوز العظیم ہے۔ اللہ کی  
مدد اور فتح اسی سے وابستہ ہے۔" (ز الصفا ۶۱ : ۱۰ تا ۱۴)

## (۱۳) حلال اور پاک چیزیں کھاؤ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں ہیں۔ ان میں سے جو حلال و طیب

ہیں وہ کھاؤ۔ (البقرہ ۲ : ۱۶۸)

کھانے پینے کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے مقدم اور بنیادی شرطیں دواردی ہیں۔

سب سے پہلے اس کا حلال یعنی جائز ہونا (حرام نہ ہونا)۔ دوسرے اس کا پاکیزہ ہونا (ناپاک نہ ہونا) کوئی شے کیسی ہی اچھی کیوں نہ لگے اگر اللہ پاک نے اسے حلال قرار نہیں دیا ہے۔ تو اس کا کھانا پینا ہرگز جائز نہیں۔ اس کے ساتھ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ حلال شے پاک بھی ہے یا نہیں۔ مثلاً مرغی کا گوشت حلال ہے بشرطیکہ مرغی حلال طریقہ سے حاصل کی گئی ہو اور اسلامی طریقہ سے ہی حلال (ذبح) کی گئی ہو۔ اور پاک ہانڈی میں پکے۔ پاک پانی استعمال ہو۔ کسی طرح سے ناپاکی نہ لگے۔

حلال حرام کی تمیز بہت ضروری ہے۔ ورنہ کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اور کوئی دُعا منظور نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "حلال اور طیب کھاؤ۔ اور شیطان کے پیچھے نہ لگ جاؤ کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" حلال حرام کی تمیز نہ کرنا شیطان کا کام ہے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں وہ گویا شیطان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے لگ کر سوائے نقصان اور گھٹانے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ایک دوسری آیت میں اللہ کریم نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ  
اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں۔ وہ کھاؤ۔ اور اللہ کا شکر ادا  
کرو۔ اگر تم اسی کے بند سے ہو۔

(البقرہ ۲ : ۱۷۲)

اللہ کریم کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ناشکری اور ناقدری کرنے سے انسان عذابِ الہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

## (۱۴) صبر سے کام لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَأَصَابِرُوا وَلَا يَطُوا اتَّقُوا اللَّهَ  
اللَّهُ نَعَلَكُمْ تَفْلِحُونَ ۝

اے ایمان والو! صبر کرو (ثابت قدم رہو) اور استقامت رکھو۔ اور جے رہو  
اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ مراد پاؤ (آل عمران ۳: ۲۰۰)

سورۃ آل عمران قرآن مجید کی تیسری سورۃ ہے۔ اس میں دوسری باتوں کے علاوہ غزوہ بدر، اور  
غزوہ احد کے حالات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہوا ہے۔ اور غزوات میں کامیابی و ناکامی کے ایک ایک پہلو کی  
وجوہات بیان ہوئی ہیں۔ یہ اس سورۃ کی سب سے آخری آیت ہے گویا سورۃ کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے۔  
مسلمانوں کی کامیابی اور مرد رزری کے اصول اللہ کریم نے ان چند لفظوں میں سمودینے میں ہر فرد ملت صابر ہو، اجتماعی طور  
پر کبھی صبر ہو، باہم گہرا رابطہ ہو، اور دلوں میں خوفِ خدا ہو۔

صبر کیا ہے؟ اپنے آپ کو روک رکھنا یعنی (۱) اپنے اندر برداشت کی قوت پیدا کرنا کہ ذرا سی بات  
پر بے چین اور بے قرار نہ ہو جائیں۔ (۲) ثابت قدم رہنا تاکہ تکلیف، مشکل، اور دشواری کے وقت قدم  
ڈگمگانہ جائیں (۳) اپنے اندر مدافعت اور مقابلہ کی قوت پیدا کرنا۔ اس لئے کہ جب تک یہ استعداد نہ  
ہو انسان ثابت قدم نہیں رہ سکتا ہے اور یہ تینوں باتیں صبر کی کڑیاں ہیں انہیں سے صبر کی صفت  
پیدا ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ فلاح و کامرانی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بار بار فرمایا ہے اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ  
”تم صبر اور نماز سے کام لیا کرو“۔ (بقرہ ۲: ۴۵ و ۱۵۳) اور بار بار یقین دلایا ہے۔ وَاللَّهُ  
يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ”اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے“ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ  
”بلکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“ سورۃ شوریٰ کی تینتا لیسویں آیت میں  
اس صفت کو ”عزم الامور“ (بڑی ہمت والا کام) بیان فرمایا گیا ہے

## (۱۵) اچھے کام کرو

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ وَاَعْمَلُوا صَالِحًا ط

”پاک چیزیں کھاؤ۔ اور اچھے کام کرو۔“ (المؤمنون ۲۳: ۵۲)

اللہ بزرگ درترنے اپنے کلام پاک میں نجات کے لئے ایمان کا درست ہونا اور اعمال کا صالح ہونا لازمی شرط قرار دیا ہے۔ اگر ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اور اگر ایمان ہے، لیکن عمل اچھے نہیں تو یہ بھی اوصوری بات ہوگی۔ اسی لئے قرآن مجید میں ہر جگہ اِهْمُوا وَاَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ ساتھ ساتھ آیا ہے۔ یعنی ”ایمان لاؤ اور اچھے کام کرو۔“

اچھے کام کون سے ہیں؟ ان کا ذکر ہر کتاب میں موجود ہے۔ اور ان کی تفصیل ہر کوئی جانتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نکتوں میں اس کی تشریح لیں فرمادی ہے۔ ”نیک کام وہ ہے جس سے خود تیرے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو پسند نہ کرے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے۔“

اچھے کاموں سے اپنی زندگی بھی اچھی ہو جاتی ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس سے سکھ بھینچتا ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اچھا صلہ دیں گے۔ (النحل ۱۶: ۹۷)

اسی مضمون کی ایک دوسری آیت سورۃ النساء میں ہے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے۔ ”جو شخص اچھے

کام کرے گا مرد ہو یا عورت۔ بشرطیکہ وہ مؤمن بھی ہو۔ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ تیل برابر

ان کی حق تلفی نہ ہوگی۔“ (النساء ۴: ۱۲۴)

اؤہم سب اپنے کاموں سے اپنی زندگیوں کو کامیاب بنائیں۔ اور دوسروں کے لئے بھی راحت کا ذریعہ بن جائیں۔

## (۱۶) نیکیوں میں سبقت لے جاؤ

وَبِكُلِّ وَجْهَةٍ لَّهُ مَوْلِيَةٌ فَاسْتَخِيرُوا الْخَيْرَاتِ

ہر ایک (فرقہ) کے لئے ایک سمت مقرر ہے جو صبر و رُخ کرتا ہے۔ تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو (سب سے آگے بڑھ جاؤ) البقرہ ۲ : ۱۴۸

دنیا کے لوگ اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارا مرکز وہ ہے۔ ہمارا وہ ہے۔ ہمارا قبلہ اُس طرف ہے۔ اور ہمارا قائل سمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ کوئی بڑائی اور فخر کی بات نہیں۔ بڑائی تو اس میں ہے کہ نیکیوں میں کون آگے ہے۔ اچھے کام کون کرتا ہے۔ لہذا مسلمانو! تم بھلے کاموں میں سبقت حاصل کرو۔ اور نیکیوں میں سب سے آگے نکل جاؤ۔

اسی سلسلہ میں اس سورۃ البقرہ کے اندر ایک بہت ہی اہم اور مفصل آیت موجود ہے جو یوں شروع ہوتی ہے۔ یَسِّرْ لَنَا ذُرِّيَّتَنَا لِنُحْمِلَهُمْ وَ اجْعَلْ لَنَا رِزْقًا مِّنْ شَرْقٍ يَّامُغْرِبِ السُّمُورِ۔ بلکہ نیک وہ ہے جو

ایمان لائے اللہ پر، روزِ آخرت پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں، اور اللہ کے رسولوں پر۔ اور مال عزیز رکھنے کے باوجود اپنے رشتہ داروں کو، یتیموں، مسکینوں، مسافروں کو، اور مانگنے والوں کو دے۔ اور گردنوں کے چھڑانے میں (خرچ کرے)۔

نماز قائم کرے۔

زکوٰۃ ادا کرے۔

جب عہد کریں تو اسے پورا کریں۔

اور ثابت قدم رہیں سختی اور تکلیف میں۔ اور میدانِ جنگ میں۔

یہی لوگ (اپنے ایمان کے دعوے میں) کچھے ہیں۔ اور یہی پہ ہیزگار ہیں۔ (البقرہ ۲ : ۱۷۷)

یہ ہے نقشہ نیکی کا اور نیکیو کار لوگوں کا۔ یہ ہے میدانِ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کا۔ اسلام

ہمیں اسی میدان میں آگے بڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔

## (۱۷) پاک صاف رہو

وَتِيَابِكَ فَطَهِّرُهُ وَالرُّجُزَ فَاهْجُرُهُ

اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور ناپاکی سے دور رہو" (المدرثر ۴۲: ۵۲)

اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کا بہت اونچا معیار ہے۔ کسی مذہب اور کسی قوم میں صفائی اور پاکیزگی کا یہ اہتمام نہیں۔ ناپاک ہونے کی صورت میں قرآن مجید نہیں پڑھنا، قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگانا، اسی طرح نماز ادا کرنے کے لئے جسم کا پاک ہونا ضروری، کپڑوں کا پاک ہونا ضروری۔ یہاں تک کہ جگہ بھی پاک ہونا ضروری، اور خود نمازی کا با وضو ہونا ضروری۔

جسم پاک نہیں رہ سکتا اگر پیشاب اور رفع حاجت کے بعد استنجے کا باقاعدہ اہتمام نہ کیا جائے۔ اسی لئے بیٹھ کر پیشاب کرنے اور استنجا کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں روایت ہے کہ آپ ایک مرتبہ کسی قبرستان سے گذر رہے تھے۔ ایک قبر کے قریب کھڑے ہو کر اپنے افسوس کا اظہار کیا۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس قبر میں جو عورت دفن ہے وہ پیشاب کرنے کے بعد طہارت کا خیال نہ رکھتی تھی۔ لہذا جہاں جہاں جسم پر پیشاب کے چھینٹے پڑتے تھے ان حصوں کو آگ سے داغ دیئے جا رہے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

دوسری قوموں میں صفائی کا انتظام ہے۔ اور اس پر ان کے ہاں بہت زور بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن پاکیزگی کا کسی کو ہوش نہیں۔ اسلام نے محض ظاہری صفائی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ طہارت اور پاکیزگی کو بھی ضروری قرار دیا۔ جس سے ظاہری صفائی خود بخود آجاتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے :-

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ  
الْمُتَطَهِّرِينَ

یقیناً اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف  
رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(البقرہ ۲ : ۲۲۲)

## (۱۸) الشکر کا شکر ادا کرو

وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝

اور تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم اللہ ہی کے بندے ہو۔ (البقرہ ۲: ۱۶۲)

شکر کا مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر جاننا۔ ان کا صحیح اور درست استعمال کرنا۔ اس کی کسی نعمت کی ناقدری نہ کرنا۔ الحمد للہ کہنا اسی شکر کا اظہار ہے جو ہم زبان سے ادا کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اتنا بھی نہیں کرتا تو وہ بڑا ہی ناشکر ہے۔ جبکہ اللہ کریم نے صاف لفظوں میں حکم دیا ہے۔ وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُوا لِي ۝ اور تم میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔ (البقرہ ۲: ۱۵۲)

اگر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں تو اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اس کا اعلان ہے لَبِّنْ شُكْرًا تَمَّ لَزِيدًا تَكْمُرًا ۝ اگر شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمہیں زیادہ دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو یہی نہیں کہ نعمت واپس چھن جائے گی۔ بلکہ میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ (ابراہیم ۱۲: ۷)

ہمارا یہ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ دنیا میں وہی لوگ ترقی کرتے ہیں جو اپنے وقت کی قدر کرتے ہیں۔ اپنی استعداد اور قوتوں کا پورا پورا اور صحیح استعمال کرتے ہیں۔ جو کچھ انہیں میسر آئے اس کی ناقدری نہیں کرتے۔ اسے ضائع نہیں کرتے۔ اور اس کا ناجائز اور غلط استعمال نہیں کرتے۔ پناہ چھوٹے اپنے وقت کی قدر کرتے ہیں۔ تعلیم میں دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔ جو اپنے جیب خرچ میں کفایت کر کے کام کی چیزیں خریدتے ہیں۔ ماں باپ ان کا جیب خرچ بڑھادیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو بچے فضول خرچی چاٹ وغیرہ میں پیسے خراب کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان کا جیب خرچ بند ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ سزا بھی پلتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَا يَحْتَدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝

بیشک اللہ سے ہدایت سے محروم رکھا ہے جو جھوٹا اور ناشکر ہے۔ (الزمر ۳۹: ۳)



## (۱۹) انشاء اللہ کہا کرو

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ  
 "اور کسی کام کی نسبت ہرگز یوں نہ کہا کرو کہ میں اسے کل کروں گا۔ مگر یہ کہ "اللہ نے اگر چاہا"

(توکل کروں گا) الکہف ۱۸ : ۲۴

اس حکیم الہی کی وضاحت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پوری آیت کا ترجمہ پیش کر دیا جائے۔  
 ارشاد ہوتا ہے "اور کسی کام کی نسبت ہرگز یوں نہ کہا کرو کہ میں اسے کل کروں گا۔ مگر یہ کہ اللہ نے اگر چاہا  
 (تو انشاء اللہ کل کروں گا) اور جب کبھی اللہ کا نام لینا (انشاء اللہ کہنا) بھول جائے تو یاد آنے پر بے لوم اور کہو  
 امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے گا۔" (الکہف ۱۸ : ۲۴)  
 اس ایک آیت سے ہمیں کئی سبق ملتے ہیں۔ اول تو یہ کہ ہمیں ہر بات کرتے ہوئے - اور  
 ہر وعدہ کرتے وقت انشاء اللہ کہنا چاہیے۔ کیونکہ ہر کام اللہ کی مرضی اور اسی کے حکم سے ہوتا ہے  
 ہم صرف ارادہ باندھ سکتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کام کا ہونا یا نہ ہونا  
 اللہ کی مرضی کے تابع ہے۔ ہمیں جزا و سزا بھی اپنے اسی ارادے اور کوشش کی ملے گی۔ حق تو یہ ہے  
 کہ ارادہ اور کوشش کی توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی وقت بھول چوک سے انشاء اللہ کہنا بھول جائے۔ تو یاد آنے پر اسے  
 دُھرا لینا چاہیے۔ اور اللہ کریم سے مہلانی اور ہدایت کی امید رکھنی چاہیے۔ اگر خدا نخواستہ  
 کسی نے اپنی کوشش یا اپنی ہمت اور محنت کو سب کچھ سمجھ لیا تو یہ بہت بڑی بھول  
 ہوگی۔ اور اس سے دین و ایمان اور علم و عمل میں بہت خسارہ ہوگا۔

جو شخص اللہ پاک کے سہارے کام کرتا ہے وہ ناکام نہیں ہوتا۔ اگر اس راہ میں جان  
 بھی ہار دے تو وہ مردہ نہیں کہلاتا بلکہ شہید ہو کر زندہ جاوید بن جاتا ہے۔

انشاء اللہ کہہ دینے سے اللہ تعالیٰ کا سہارا مل جاتا ہے۔ جو سب سے بڑی

بت ہے۔

## (۲۰) اپنی نگاہیں نیچی رکھو

قُلْ لِلّٰهِ مَوَدَّةٌ يَّغْضُوْنَ اَمِنْ اَبْصَارِهِمْ

اور مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ (النور ۲۴: ۳۰)

اس کے بعد دوسری آیت میں یہ حکم ہے :-

وَقُلْ لِلّٰهِ مَوَدَّةٌ يَّغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

” اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ (النور ۲۴: ۳۱)

کتاب اللہ میں نام طور پر مرد و عورت کو ایک ہی حکم دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک جگہ مردوں کو کہا گیا ہو کہ تم نماز پڑھا کرو۔ پھر عورتوں کا نام لے کر جدا کہا گیا ہو کہ وہ نماز پڑھا کریں۔ یہی حال تقریباً دوسرے تمام احکام کا ہے۔ لیکن نگاہیں نیچی رکھنے کے بارے میں دونوں کو جدا جدا ارشاد ہوا ہے۔

اور اس میں دوسری عجیب بات یہ ہے کہ پہلے مردوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ پھر دوسری آیت میں عورتوں کو یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے اس حکم کی اہمیت اور ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔

۷۔

اس سورہ نور میں عورتوں کے لئے پردہ کے احکام ہیں۔ پردہ کے احکام کے علاوہ ان آیات میں دونوں کو جدا جدا یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ اپنی حفاظت کریں۔ نگاہیں نیچی رکھنا، اور غیر محرم کو نہ تکنا بھی دراصل خود اپنی حفاظت کرنا ہے۔ اگر کوئی کسی کو بری نظر سے دیکھتا ہے اس کا کچھ نہ بگڑے گا دیکھنے والے کو خود گناہ ضرور ہوگا۔ وہ اس طرح اپنا ایمان ڈالو اور ڈول کر کے اپنا نقصان کرتا ہے۔

ان جان پنے میں یا تاوانستہ طور پر انسان کی نگاہ کسی شیر پر پڑ جائے تو شہ بیت اسے معاف کر دیتی ہے۔ بشرطیکہ وہ دوبارہ جان بوجھ کر اسے نہ دیکھے۔ اسی طرح ڈاکٹر، طبیب وغیرہ کو جبورتی اور ضرورت کے تحت اجازت ہے۔ یا اور کھئے منظر کی بے احتیاطی اور تانک جھانک سے ہی سارے گناہوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

## (۲۱) حُسنِ سلوک کرو

وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور تم نیکی کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (البقرہ ۲: ۱۹۵)

احسان عربی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ حسنِ سلوک اور نیکی کیا جاتا ہے "احسان" ایک بہت بڑی خوبی اور نہایت اعلیٰ صفت کا نام ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان دوسرے سے اچھا سلوک کرے۔ اُسے اُس کے حق سے زیادہ دے۔ مثلاً ایک مزدور سے کسی کام کی اجرت چار روپیہ طے پائی۔ آپ نے دیکھا کہ وہ غریب آدمی ہے۔ محنتی اور ایماندار ہے۔ آپ اُسے چار روپیہ کے علاوہ کچھ بڑھا کر دے دیں۔ اُسے کھانا کھلا دیں تو یہ مزدور پر آپ کا احسان ہوگا۔ اسی طرح اگر مزدور مقررہ وقت سے زیادہ کام کرے اور جس قدر کام کرنا طے پایا تھا خوش ہو کر اس سے زیادہ کام کر دے تو یہ اس کا آپ پر احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ خود بھی محسن ہے۔ اور اُسے اپنے احسان کرنے والے بندے بہت پسند میں۔

وہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ "بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(عنکبوت ۲۹: ۶۹) اس نے ایک دوسرے مقام پر یہاں تک فرمادیا إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ "اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت حسنِ سلوک کرنے والوں کے قریب ہے۔ (الاعراف ۷: ۵۶)

جب آپ کسی کے ساتھ حسنِ سلوک کریں گے تو صاف ظاہر ہے کہ اُسے اس کے واجب حق سے زیادہ دیں گے۔ بظاہر اس میں اپنا کچھ نقصان نظر آئے گا۔ لیکن حقیقت میں نقصان ہرگز نہیں۔ کیونکہ مالکِ حقیقی کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ "بلاشبہ اللہ حسنِ سلوک کرنے والوں کا اجر

ضائع نہیں کرتا۔" (التوبہ ۹: ۱۲۰)

البتہ نیکی کرنے کے بعد جب لادینے یعنی احسان دھرنے سے نیکی ضائع ہو جاتی ہے۔

## (۲۲) والدین سے اچھا سلوک کرو

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتَهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

”اور تیرے رب نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ

کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا۔“ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳)

ہم پر ماں باپ کے احسان اس قدر زیادہ ہیں کہ ہم عمر بھر ان کے پاؤں دھو کر پسینے پھر بھی حق

اور انہیں ہوتا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہم اکثر اپنے اس فرض کو بھول جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد جس بات کا حکم دیا ہے وہ والدین سے حسن

سلوک کرنا ہے۔ یہی وہ فرض ہے جس کا اقرار اللہ پاک نے پہلی قوموں سے لیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم

کے پہلے پارہ میں ارشاد ہے وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ

وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور (یاد کرو) جب ہم بنی اسرائیل سے یہ عہد و اقرار لیا کہ وہ اللہ

کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ اور ماں باپ سے حسن سلوک کریں گے۔ (البقرہ ۲: ۸۳)

سورہ لقمن میں ارشاد ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ — اور ہم

نے انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرتا رہے (کہ بچہ کو) اس کی

ماں تکلیف پر تکلیف جھیل کر پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اسے

دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔“ (لقمن ۱۴: ۳۱)

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ”اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بوڑھے

ہو جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا۔ نہ تمہیں جھڑکنا۔ اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا۔

اور ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا۔“ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳ و ۲۴)

سورہ عنکبوت میں فرمایا کہ ہر حال میں والدین سے حسن سلوک کرو۔ سوائے اس

کے کہ وہ شرک پر مجبور کریں کہ اس صورت میں ان کا کہنا نہیں ماننا۔“

(عنکبوت ۸: ۲۹)

## (۲۳) گھر میں سلام کر کے داخل ہو

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ

”جب تم گھروں میں جاؤ۔ تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کر لیا کرو۔“ (النور ۲۴: ۶۱)

اسی سورۃ کی ایک دوسری آیت میں یہ مفصل حکم موجود ہے کہ تم کسی دوسرے کے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک پہلے اجازت نہ ملے۔ اور اہل خانہ کو سلام نہ کرو۔ اور اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔ اور اگر بالکل اجازت نہ ملے اور وہ تمہیں کہہ دیں کہ لوٹ جاؤ تو بخوشی واپس ہو جایا کرو۔ (النور ۲۴: ۲۸)

مندرجہ بالا دونوں آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنا گھر ہو یا بیگانہ۔ دونوں صورتوں میں لازم ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اہل خانہ کو سلام کیا جائے۔ سلام کیا ہے؟ سب کے لئے سلامتی اور رحمت کی دعا ہے۔ اللہ اللہ۔ سلام کی ہر بات اعلیٰ ہے۔ دنیا کی ہر قوم میں سلام ہے۔ مگر ”السلام علیکم“ کہیں نہیں۔ یعنی سلامتی کی دعا۔ اور سب کی سلامتی کی دعا کہیں نہیں۔ کوئی ”آداب عرض“ کہتا ہے۔ کوئی ”نست“ کہتا ہے۔ کوئی شب بخیر کہتا ہے۔ کوئی ”صبح بخیر“ کہتا ہے۔ کوئی ”اچھی الوداع“ کہتا ہے۔ مگر سب کے لئے ہر گھرمیں اور ہر حق سلامتی کی دعا صرف مسلمان دیتا ہے۔

اسلام نے سلام کے باقاعدہ آداب اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ سوار پیدل کو۔ آنے والا اہل مجلس کو۔ اور مجلس سے یا گھر سے جانے والا دوسروں کو۔ خصوصاً یہ کہ ”وَ اِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّاتٍ فَجِوَابُهَا حَسَنٌ مِنْهَا اَوْ رُدُّهَا“ ”جب کوئی تمہیں سلام کرے (دعا دے) تو اس سے بہتر (سلام سے) دعا دو (مثلاً السلام علیکم کے جواب میں) وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ یا (کم از کم) وہی الفاظ دہرا دو۔“ (النساء ۴: ۸۶)

## (۲۴) چال میں اعتدال رکھو

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ ط

اور اپنی چال میں اعتدال رکھو۔ (لقمن ۳۱: ۱۹)

حضرت لقمن علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں ان میں ایک یہ تھی کہ بیٹے اپنی چال میں اعتدال رکھنا۔ اعتدال میانہ روی کو کہتے ہیں۔ یعنی درمیانی راہ اختیار کرنا۔ جس میں نہ بہت تیزی ہو۔ اور نہ بہت سُستی اور بے جا آہستگی ہو۔

دراصل اسلام کی پوری تعلیم اسی اصول پر ہے۔ اسلام کے ہر حکم میں یہی بات پوشیدہ ہے۔ حکم یہ ہے کہ مسلمان ہر کام میں میانہ روی اختیار کرے۔ تاکہ نہ حد سے زیادہ بڑھ جائے اور نہ جمیدگی کا شکار ہو جائے۔ چنانچہ دوسرے پارہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان یوں بیان کی کہ ”ہم نے تمہیں اُمَّتًا وَّسَطًا بنایا ہے۔“ تمہارے ہر عمل کی بنیاد اعتدال پر رکھی ہے۔ خواہ کھانا پینا ہو۔ جمع کرنا اور خرچ کرنا ہو۔ کسی کو سزا دینا اور جرم مان کرنا ہو۔ یا سونا جاگنا ہو۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ پاک نے اپنے بندوں کی صفت یہ بیان فرمائی ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ”اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔“ (الفرقان ۲۵: ۶۳) مقصد یہ ہے کہ وہ بھاگ دوڑ میں نہیں رہتے۔ اور چال میں فخر و غرور کا اظہار نہیں کرتے۔ خود حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک رفتار کا اندازہ ایسا تھا جیسے کوئی پہاڑ سے نیچے اتر رہا ہو یعنی حضورؐ مانپ تول کر نہایت احتیاط سے قدم اٹھاتے۔ نگاہ نیچی ہوتی۔ پاؤں جما کر رکھتے۔ اور کسی بڑے بوڑھے سے آگے نکلنے کی کوشش نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ کوئی بوڑھا آگے جا رہا تھا۔ آپؐ نے اپنی رفتار آہستہ کر دی۔ کسی نے عرض کیا حضورؐ یہ تو یہودی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”بوڑھا تو ہے۔“ بچوں کو اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔

## (۲۵) ہولے سے بولو

وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

”اور گفتگو بول چال میں اپنی آواز نیچی رکھو (کیونکہ اونچی آواز گدھے کی ہے) اور

بلاشبہ سب آوازوں سے بُری آواز گدھے کی ہے۔“ (لقمن ۳۱: ۱۹)

ابھی کچھلے سبق میں آپ نے پڑھا ہے کہ چال میں اعتدال اختیار کرنا چاہیے کہ انسان نہ ہر دم بھاگ دوڑ میں رہے اور نہ بالکل جوں کی رفتار چلے بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرے۔ آیت کے اس حصہ میں میں گفتگو کے بارہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ گفتگو میں اپنی آواز نیچی رکھو۔ چیخ چلا کر آسمان سر پر نہ اٹھا لو۔

اونچی آواز کے ساتھ چیخنے چلانے کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جانوروں میں سے سب سے بلند آواز گدھے کی ہوتی ہے۔ وہ ہر دم جاوے جاؤ دھینچوں ڈھینچوں کرتا رہتا ہے۔ مگر کسی کو بھی اُس کی آواز پسند نہیں آتی۔ اور تو اور گدھے کے مالک کو بھی اُس کی آواز نہیں بھاتی۔ اگر انسان اپنی آواز میں اعتدال پیدا نہ کرے اور گدھے سے بھی سبق حاصل نہ کرے تو بڑی بے وقوفی کی بات ہوگی۔ گدھا اپنی مکروہ آواز کی طرح اپنی حماقت میں بھی مشہور ہے۔ کسی کو احمق کہنا ہو تو بلا تکلف اُسے گدھا کہہ دیتے ہیں۔

جو کوئی اپنی فطری آواز سے بڑھ کر اونچے اونچے بولتا ہے۔ وہ بہت جلد تھک جاتا ہے۔ اُس کا گلہ بیٹھ جاتا ہے۔ سُسنے والے اُس سے اکتا جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے کانوں پر اُس کی آواز گراں گزرنے لگتی ہے۔ لہذا عقلمندی کا طریقہ یہی ہوگا کہ ہم بول چال میں اُپس کی گفتگو میں، اور تقریر اور خطاب میں بھی آواز حد سے زیادہ بلند نہ کریں۔ اور گفتگو کی روش بھی درمیانی رکھیں تاکہ ہر کوئی ہماری گفتگو سے لطف اٹھائے۔ اور کوئی پریشان خاطر نہ ہو۔

## (۲۶) مشورہ سے کام کیا کرو

شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ط

”کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔“ (آل عمران ۳: ۱۵۹)

اللہ بزرگ و برتر نے سرورِ کائنات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔  
”کاموں میں ان (اپنے ساتھیوں) سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب پختہ ارادہ کر لو۔ تو اللہ پر بھروسہ رکھو

بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (آل عمران ۳: ۱۵۹)

حضور (فداہ ابی دہمی) اللہ کے رسول تھے۔ وہ صاحبِ وحی تھے۔ ان پر اللہ پاک کی طرف سے وحی اترتی تھی۔ وہ کوئی کام اللہ کی مرضی اور منشا کے خلاف نہ کرتے تھے۔ خود اللہ کریم نے گواہی دی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ”اور وہ اپنی خواہش اور مرضی سے بات نہیں کرتے۔“ (سورۃ النجم) اس کے باوجود امت کی ہدایت کے لئے اور مثال قائم کرنے کے لئے حکم ہوا کہ ان سے مشورہ کر لیا کیجئے۔ قرآن مجید کی ایک مستقل سورۃ کا نام ہی سورۃ شوریٰ ہے۔ اس سے مشورہ کی اہمیت اور اس کا فائدہ واضح ہوتا ہے۔ اس سورۃ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے واضح لفظوں میں فرمایا ہے۔ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور وہ اپنے کاموں میں ایک دوسرے سے آپس میں

مشورے کرتے ہیں۔ (شوریٰ ۲۲: ۳۸)

جو کام بھی مشورہ سے کیا جائے اس میں خیر و برکت ہوتی ہے کیونکہ مشورہ سے مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں۔ اور مسئلہ کا ہر پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ ہر اختلاف اور ہر چھائی برائی کھل جاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جس سے مشورہ کیا جائے اس کی سہمدی حاصل ہو جاتی ہے۔ مشورہ دینے والے کے بارہ میں حضور نے فرمایا کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ اپنے آپ کو امین سمجھے مشورہ دینے میں بخل سے کام نہ لے۔ دیا خداری سے صحیح مشورہ دے۔ باز داری سے کام لے اور دوسرے کا راز افشا نہ کرے کیونکہ مشورہ ایک امانت ہے۔ اور امانت میں کسی طرح کی خیانت روا نہیں۔

ایک اور خاص بات جو اوپر کی آیت میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بس مشورے ہی نہ کرتے رہا کرو۔ بلکہ جب مشورہ کے بعد فیصلہ ہو جائے تو کام پر لگ جاؤ۔ پھر کسی رکاوٹ اور مشکل کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ پر توکل کرو۔ اور اپنی کوشش کا نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔



## (۲۷) درگزر کیا کرو

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

۷ درگزر کرو۔ اور نیک کام کرنے کا حکم دو۔ اور جاہلوں سے کنارہ لو۔ (الاعراف ۷ : ۱۹۹)

اللہ بزرگ و برتر نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ذریعہ ان کی پوری امت کو حکم دیا ہے کہ عفو کی راہ اختیار کریں یعنی انتقام اور بدلہ کی جگہ معافی و درگزر کی عادت بنا لیں۔ جہاں تک ان کا حکم چلتا ہو اور جہاں جہاں انہیں اختیار حاصل ہو۔ وہ دوسروں کو نیک کام کرنے کا حکم دیں۔ لیکن نادان اور جاہل لوگوں سے اُجھٹنے اور جھگڑنے کی بجائے ان سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا يُحِشُّونَ أَنْ

اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم

يَعْفُرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور بخش دے؟

اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

(النور ۲۴ : ۲۲)

کون ہے جو اللہ کی بخشش کا محتاج نہ ہو؟ کون ہے جو اس کی مہربانیوں کا طالب نہ ہو؟ اس کے رحم و کرم اور اور اس کی بخشش و رحمت کے بغیر تو ہم ایک سانس بھی نہیں لے سکتے۔ لہذا ہم پر بھی لازم ہے کہ اس کے بندوں کے ساتھ عفو اور درگزر کرنا سیکھیں۔ انتقام اور سختی کی روش اختیار نہ کریں۔ اگر ہم نے اللہ کے بندوں کی خطاؤں سے درگزر نہ کیا تو اللہ کریم کی طرف سے عفو و درگزر کے اُمیدوار کیسے ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں کی جو صفات بیان کی ہیں۔ ان میں عفو اور درگزر کی خصت لازمی طور پر شامل ہے جیسا کہ فرمایا الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُتُبِ وَالْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط۔ جو خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں۔ غصہ کو بے نی جاتے ہیں۔ اور لوگوں کا قصور معاف کر دیتے ہیں۔ اور اللہ نیکو کاروں کو درست رکھتا

ہے۔ (آل عمران ۳ : ۱۳۴)

## (۲۸) وعدے پورے کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ط

”مے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو۔“ (المائدہ ۵ : ۱)

اسلام نے ایفائے عہد کو ایک مسلمان کے لئے ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں نے ہمیشہ اپنا ہر وعدہ نبھانے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔ مسلمان کی اس خوبی کو ان کے دشمن اور غیر مسلم بھی تسلیم کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان زبان دے کر کبھی نہیں پھرتا۔ وہ ہر حال میں وعدے پورے کرتا ہے۔

وعدے انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ یعنی کچھ ایسے وعدے ہوتے ہیں جو ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ہم خود تو نہیں کرتے لیکن ہماری قوم یا ہماری حکومت کرتی ہے۔ اس صورت میں بھی ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ قوم کا ایک فرد ہونے کے اعتبار سے اور حکومت کے ایک شہری ہونے کے طور پر ہم اس اجتماعی وعدہ کو پورا کریں اور عہد شکن نہ بنیں۔ عہد توڑنے والے افراد کا کسی کی نگاہ میں کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ نہ عہد شکن قوم کی کوئی ساکھ رہتی ہے۔

کچھ وعدے ہم نے اپنے خالق و مالک سے کئے ہیں۔ ان وعدوں کو پورا کرنا ہم پر سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اللہ پاک نے ہماری رُوحوں سے دریافت فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ہماری ارواح نے وعدہ کیا تھا قَالُوا بَلٰی (کیوں نہیں۔ تو ہی ہمارا رب ہے) پھر کلمہ پڑھ کر ہم نے گواہی دی ہے۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“ اسی طرح ہم اپنے بزرگوں کے ذریعہ کتنے ہی عہد کرتے ہیں۔ ان سب کا پورا کرنا فرض ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا اَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ”دعہ

پورا کرو۔ کہ وعدہ کے بارہ میں پرسش ہوگی۔“ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۴)

## (۲۹) جاہلوں سے کنارہ کر لو

وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ط

”اور جاہلوں سے کنارہ کر لو“ (الاعراف ۷ : ۱۹۹)

جاہل اردو زبان میں اُن پڑھ کو کہتے ہیں۔ لیکن عربی میں صرف اُن پڑھ کو جاہل نہیں کہتے۔ بلکہ نادان، بے وقوف اور نا سمجھ کو بھی جاہل کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو اس قدر نا تجربہ کار اور سادہ لوح ہو کہ جلد دھوکہ میں آجائے وہ بھی جاہلوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسلام سے پہلے کے زمانہ کو اسی لئے مورِ جاہلیت کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے لوگ نادانی میں گرفتار ہو کر بت پرستی اور توہم پرستی کے تئیں ہو گئے تھے۔ وہ بے جان مورتیوں کو معبود سمجھ بیٹھے تھے۔

اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: ”جاہلوں سے کنارہ کر لو۔“ نادانوں کے ساتھ رہنا اپنی نادانی کی نشانی ہے۔ کیونکہ بے وقوف کے ساتھ لگ کر انسان خود بھی بے وقوفی کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ اور نا سمجھوں کی صحبت سے اگر نا سمجھ بنے تو کم از کم ان کی نا سمجھی کے اثرات کا شکار ضرور ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان جیسی صحبت اور جیسی محبت میں بیٹھے گا۔ اس پر اس کا اثر ضرور پڑے گا۔ اور کچھ نہیں تو اس پر نادانی اور نا سمجھی کی تہمت ضرور لگ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک نشانی یہ بتلائی ہے۔ وَعِبَادِ الرَّحْمٰنِ  
اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلٰمًا اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب جاہل اُن سے (جاہلانہ انداز میں) مخاطب ہوتے ہیں تو وہ انہیں ”سلام“ کہتے ہیں۔ یعنی اُن سے لگتے نہیں۔ نہ وہ اُن سے لڑتے ہیں۔ نہ اُن میں شامل ہوتے ہیں۔ بلکہ کنارہ کر لیتے ہیں۔

(الفرقان ۲۵ : ۶۳)

اگر کسی نادان اور نا سمجھ سے ٹکراؤ ہو جائے۔ اور وہ اُچھنے لگے تو عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے ٹال دے۔ اگر وہ کسی طور نہیں ملتا تو خود ہی ایک طرف ہو جائے۔ اس سے بحث میں نہ اُچھے۔ کہ اس میں سراسر نقصان ہوگا۔ اور بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۳۰) جو کہتے ہو کرتے کیوں نہیں؟

لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝

تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ (الصف ۶۱ : ۲)

قرآن مجید کی مشہور سورۃ الصف کی یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت ہیں ہر دم اپنے سامنے رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یا ایہا الذین امنوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝۔ اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ (الصف ۶۱ : ۲ و ۳)

ایمان والی کا تقاضہ ہے کہ انسان دوسروں کو جو کچھ کہے وہ خود کر کے دکھائے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فصیحت۔ "بھلا ایسے شخص کی بات کون مانے گا؟ اور کوئی اس کی باتوں پر کیسے عمل کرے گا؟ اس کی بات کسی کے دل میں کیسے اترے گی؟ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب تک ہم کامل اور مکمل نہ ہو جائیں، اس وقت تک نہ تبلیغ کریں اور نہ کسی کو اچھی باتوں کی تلقین کریں۔ بلکہ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ دوسروں کو ضرور نصیحت کرو اور ان نصیحتوں پر خود بھی عمل کرو۔

ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے کرتے انسان خود پختہ ہو جاتا ہے۔ تبلیغ دراصل خود اپنی اصلاح کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔

یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہیے کہ دوسرے لوگ ہماری زبان سے زیادہ ہمارے عمل کو دیکھتے ہیں۔ زبانی کلامی بات جلد بھول جاتی ہے۔ لیکن عمل اور نمونہ تا دیر یاد رہتا ہے۔ لہذا جو کہو کر کے دکھلاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہی فرمایا تھا۔

أَتَاهُمْ سُرُونًا مِّنَ النَّاسِ بِالْبُيُوتِ وَتَنَسَوْنَ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ مِّنْ عِندِنَا مِثْرًا ۚ

اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ (البقرہ ۲ : ۲۴۴)

## (۳۱) سیدھی سچی بات کرو

وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ط

اور سیدھی (سچی) بات کہا کرو " (الاحزاب ۳۳: ۷۰)

یہ پورا مضمون یوں ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ — يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور سیدھی بات کہا کرو۔ (اگر تم ایسا کرو گے) اللہ تمہارے عمل درست کر دے گا۔ یعنی اعمال کی درستی کی شرطیں دو ہیں اول تو یہ کہ ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف اور پرہیزگاری کا جذبہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ہم زبان کے کھرے ہوں۔ بات سیدھی سچی کریں۔ انٹی سیدھی اور غلط سلط باتوں سے بچیں۔

جو چھوڑنا بڑا سیدھی اور کھری باتیں کرے گا۔ اس کے کام سیدھے اور درست ہو جائیں گے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں یوں بھی بیان فرمایا ہے۔ قُلْ لِعِبَادِي يَقُولُ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط " (اے نبی!) میرے بندوں سے کہہ دو۔ وہ ایسی باتیں کہا کریں۔ جو اچھی ہوں۔" (بنی اسرائیل ۷۵: ۱۷) اچھی بات ہر کسی کو اچھی لگتی ہے۔

اور ناپسندیدہ بات اللہ کریم کو بھی ناپسند ہے اور بندے بھی پسند نہیں کرتے۔

اوپر "قَوْلًا سَدِيدًا" کا حکم ہوا ہے۔ "قَوْلًا سَدِيدًا" سے مراد ہے نہایت متوازن، سیدھی اور ایسی صاف بات جس میں کوئی کمی بیشی اتکچ بیچ نہ ہو۔ جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ جس میں ایسے الفاظ نہ استعمال کئے گئے ہوں جن سے کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہو۔ یا ان کے غلط معنی نکل سکتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام میں یہاں تک تاکید فرمادی ہے لَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط "اہل کتاب سے (بحث مباحثہ میں بھی) جھگڑا نہ کرو مگر اس طرح کہ وہ نہایت شائستہ اور عمدہ ہو" (العنکبوت ۲۹: ۲۶) مقصد یہ ہے کہ غیروں سے بھی بحث مباحثہ کے درمیان گفتگو کا انداز نہایت باوقار اور شائستہ ہونا چاہیے۔

## (۳۲) دین کی تبلیغ کیسے کرو؟

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ  
وَجَادِ لَهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط

”اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ۔ دانشمندی اور اچھی نصیحت سے۔ اور ان سے

مناظرہ کرو تو بہت ہی اچھے طریقے سے“ (النحل ۱۶ : ۱۲۵)

دین کی تبلیغ کرنا ہر چھوٹے بڑے، مرد عورت، اور جاہل و عالم سب پر فرض ہے۔ تبلیغ کے معنی پہنچانے کے ہیں۔ یعنی دین کی باتیں جو اپنے آپ کو معلوم ہیں۔ وہ ان لوگوں تک پہنچانا جنہیں ان کا علم نہیں۔ اس مقصد کے لئے کوئی بڑا عالم فاضل ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ جس شخص کو جتنا علم ہے وہ اسی قدر دوسروں تک پہنچا دے۔ یہ فریضہ تبلیغ ہے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَلِّغُوا عَنِّي ذِكْرًا لِّي يَتْلُوَهُ السَّامِعُ مِنَ الْمَرْءِ الْمُبَلِّغِ ”میری طرف سے پہنچا دو خواہ ایک ہی حکم کیوں نہ ہو۔“ (الحديث)

تبلیغ اگرچہ دوسرے کو کی جاتی ہے۔ لیکن دراصل اس سے انسان خود بچتے ہو جاتا ہے۔ دوسروں کو سمجھانے سے اپنا ایمان بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور عمل بھی درست ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ہم بڑوں کو برا کہنا اور انہیں سمجھانا چھوڑ دیں۔ تو خود بُرائی میں گرفتار ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ تبلیغ کرنے کے لئے اس آیت میں تین اصول بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ لوگوں کو سچے دین اور درست راستہ کی طرف نہایت حکمت سے دعوت دی جائے۔ کسی کو طعنے دینا، برا بھلا کہنا یا کسی کی تحقیر کرنا حکمت کی بات نہیں۔

۲۔ تبلیغ اچھی نصیحت سے کی جائے۔ یعنی بات کرنے کا انداز ناصحانہ ہو۔ خیر خواہی اور رہنمائی مطلوب ہو۔ ڈرانا اور دھمکانا پیش نظر نہ ہو۔

۳۔ اگر بحث مباحثے کی نوبت آجائے تو اس میں بھی حسن طریقہ اختیار کیا جائے یہ نہ ہو کہ بحث میں ادب اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

## (۳۳) اچھے کاموں کا حکم دو

يُنَبِّئُ أَقْبِلِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اے بیٹے! نماز قائم کر (دوسروں کو) اچھے کام کرنے کا حکم دے۔ اور بُری

باتوں سے منع کر۔ (لقمن ۳۱: ۱۷)

”معروف“ ہر اچھی اور نیک بات کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً چالیس مرتبہ آیا ہے۔ جو ایک لفظ اتنی بار استعمال ہوا ہو اور جس بات کا تذکرہ اس قدر تکرار کے ساتھ ہوا ہو اس کی اہمیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کو ”اْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ“ کی تاکید کا اندازہ ہو۔ ایک جگہ فرمایا ”وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ“ تو اچھے کام کرنے کا حکم دے (لقمن ۳۱: ۱۷) دوسری جگہ فرمایا ”وَأْمُرْ وَابِ الْمَعْرُوفِ“ تم اچھے کاموں کا حکم دو (حج ۲۲: ۲۲) تیسری جگہ حکم دیا ”قُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا“ تم ان سے اچھی بات کرو (نساء ۴: ۹) نیک بندوں کے ذکر میں فرمایا ”يَا مُسْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ“ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں (توبہ ۹: ۷۱) پھر فرمایا ”يَا مُسْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ“ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو (آل عمران ۳: ۱۰۱) اسی طرح فرمایا ”يَا مُسْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ“ (نیک بندے) اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں (توبہ ۹: ۱۱۲) مزید فرمایا ”يَا مُسْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ“ انہیں اچھے کاموں کا حکم دے (اعراف ۷: ۱۵۸)

آخر میں ہم ایک اور آیت کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ ط ”تم بہترین امت ہو۔ لوگوں کے لئے نیکائے گئے ہو۔ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔

اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔“ (آل عمران ۳: ۱۱۰) گویا ملتِ اسلامیہ کے

”خیر امت“ ہونے کی شرط یہ ہے کہ مسلمان اہلِ عالم کو نیکی کے کاموں کا حکم دیتے رہیں

اور بُری باتوں سے روکتے رہیں۔

## (۳۴) افواہ کی تصدیق کر لیا کرو

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا

”اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (المحجرات ۴۹: ۶)“

امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا زمانہ افواہیں ہر صورت میں نقصان پہنچاتی ہیں۔ افواہ کے سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر سمجھ لینا ضروری ہیں۔ اول یہ کہ افواہ کے کہتے ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ افواہیں کیسے پھیلتی ہیں؟ افواہ ایسی خبر کہتے ہیں جو محض سُنی سنائی ہو۔ اس کی تصدیق نہ ہوئی ہو۔ اور وہ کسی یقینی ذریعہ سے حاصل نہ ہوئی ہو۔ عام طور پر ایسی خبریں مینچلنے والے بھی قابلِ اعتبار نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اگر کوئی معتبر آدمی بات کہے گا تو سچی بات کہے گا۔ اس کی بات بے بنیاد افواہ ہرگز نہ ہوگی۔

افواہیں عام طور پر جنگ کے زمانہ میں یا افراتفری کے دور میں دشمن کی طرف سے پھیلائی جاتی ہیں۔ تاکہ لوگوں کے اندر خوف و ہراس پیدا ہو۔ اور ان کے حوصلے پست ہو جائیں۔ کبھی نادان دوست اور کمزور ایمان والے لوگ بھی افواہیں پھیلانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ لیکن کسی صورت میں بھی افواہوں سے خرابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن شریف کی مندرجہ بالا آیت میں اللہ بزرگ و برتر نے یوں ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا — تَادِرِصِينَ هـ ”اے ایمان والو!

اگر تمہارے پاس کوئی بدکار (فاسق) کوئی خبیر (افواہ) لے کر آئے۔ تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ (غلط افواہ کی بنا پر) تم کسی قوم کو نقصان پہنچا دو۔ پھر اپنے کئے پر تمہیں نادم و شرمسار ہونا پڑے۔“ (المحجرات ۴۹: ۶)

واقعی اکثر ایسا ہوا ہے۔ کہ سُنی سنائی باتوں اور افواہوں پر یقین کرنے سے جھگڑے کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور غلط فہمی کے نتیجہ میں بڑے بڑے نقصان ہو گئے ہیں۔ پھر بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔



## (۳۵) لڑنے والوں کی صلح کرا دیا کرو

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ

”تمام مومن مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تم اپنے بھائیوں کے درمیان

صلح کرا دیا کرو۔“ (الحجرات ۴۹: ۱۰)

آپس میں اختلاف پیدا ہو جانا کوئی ان ہونی بات نہیں کبھی غلط فہمی سے یا کبھی نا سمجھی سے، اور کبھی ایک کی غلطی سے دوسرے کو شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر حوصلہ سے کام نہ لیا جائے۔ اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے تو اسی سے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بھائیوں کے درمیان ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

بھائی صرف خون کے رشتے کے نہیں ہوتے۔ دین و ایمان کا رشتہ سب سے بڑا رشتہ ہے۔ ہمارے حضور (فداہ ابی و امی) کے ساتھیوں نے ایک دوسرے کو ماں جائے سے زیادہ سمجھا۔ مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجر ایک دوسرے کے ایسے بھائی بھائی بن گئے۔ کہ ان کے درمیان کوئی اجنبیت باقی نہ رہی۔ وہ بالکل ایک جان و قالب ہو گئے۔

اگر کسی وقت دو مسلمان بھائیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور بد قسمتی سے وہ جھگڑے کی صورت اختیار کر لے تو ایسے حالات میں دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ لڑنے والوں کا تماشہ نہ دکھیں۔ بلکہ آگے بڑھ کر جھگڑے کو روکیں۔ اور ان کے بیچ میں پرہیز کر صلح کرا دیں۔ اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

إِن طَافَ لُفَّتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا — اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں۔ تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ اگر ان میں سے ایک دوسرے سے زیادتی کرے۔ تو تم زیادتی کرنے والے کے خلاف نبرد آزما ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ وہ حکم الہی کے آگے جھک جائے۔ اور جب وہ جھک جائے تو ان کے درمیان انصاف سے صلح کرا دو۔ تم انصاف سے کام لو۔ بیشک اللہ انصاف

کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ (الحجرات ۴۹: ۹)

## (۳۶) انصاف کرو

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

”بیشک اللہ حکم دیتا ہے۔ انصاف اور حسن سلوک کرنے کا۔“ (النحل ۱۶: ۱۹)

قرآن حکیم میں انصاف کو ”عدل“ اور ”قسط“ کے لفظوں سے یاد کیا گیا ہے۔ اور انصاف کرنے والے (منصف) کو عادل اور مقسط کے الفاظ سے سراہا گیا ہے۔ انفرادی اخلاق ہوں۔ یا اجتماعی کردار۔

معاشرت اور رہن سہن کے طور طریقے ہوں یا سیاسی نظام۔ زندگی کے ہر معاملے میں عدل سب سے مقدم ہے۔

اللہ کریم نے جس قدر عدل و انصاف کی تاکید فرمائی ہے غالباً اتنی کسی اور بات کی تاکید نہیں کی۔ کیونکہ عدل و انصاف نہ رہے تو ملک تباہ ہو جاتے ہیں۔ سلطنتیں ختم ہو جاتی ہیں اور قومیں برباد ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِعْدُوا لَهُمْ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ** ”تم انصاف کرو کہ وہ پرہیزگاری

کے قریب تر ہے۔“ (المائدہ ۵: ۸)

پھر فرمایا: **إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ** ”جب تم لوگوں کے

درمیان فیصلے کرنے لگو۔ تو انصاف سے فیصلے کیا کرو۔“ اس کے ساتھ ہی فرمایا: ”اللہ تمہیں اس کی

بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔“ (النساء ۴: ۵۸)

انصاف کرنے والے کا امتحان اس وقت ہوتا ہے۔ جب ایک طرف کوئی اپنا ہو۔ اور دوسری طرف

غیر۔ اور انصاف کا تقاضہ ہو کہ اپنے کے خلاف فیصلہ دے۔ ایسے حالات میں ارشاد خداوندی ہے۔

**لَا يَجْرُ مَنَّكُمْ سَنَّانُ قَوْمٍ** — ”تمہیں کسی دوسری قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ

نہ کر دے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔ (نہیں) انصاف کرو۔ کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔“

(المائدہ ۵: ۸) اس سے بھی بڑھ کر فرمایا: **كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ** — ”اے

ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔ اور سچی گواہی دو۔ خواہ (اس انصاف میں) تمہارا یا

تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی امیر ہے یا غریب۔ اللہ ان کا

خیر خواہ ہے۔ تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر انصاف نہ چھوڑ دینا۔“ (النساء ۴: ۱۳۴)

## (۳۷) مجلس کے آداب کا لحاظ رکھو

اِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ

جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو۔ تو کھل کر بیٹھ جا یا کرو (المجادلہ ۵۸ : ۱۱)  
اٹھائیسویں پارہ کی اس آیت میں آداب مجلس میں سے دو اصولوں کا خاص طور سے ذکر ہوا ہے۔  
اور یہ دونوں بہت ہی ضروری باتیں ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ پوری آیت  
کا ترجمہ اس طرح ہے :-

”اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادہ ہو کر بیٹھو  
تو کھل کر بیٹھ جا یا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی بخش دے گا۔ اور جب  
کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جا یا کرو۔ جو تم میں سے ایمان  
والے ہیں۔ اور جنہیں علم دیا گیا ہے۔ اللہ ان کے درجے بلند  
کر دے گا۔“

بزرگان دین نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو آداب مجلس مقرر کئے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں :-  
مجلس میں جہاں جگہ مل جائے وہیں بیٹھ جاؤ، یہ نہیں کہ کو دیکھنا نہ کر، لوگوں کو چیر بھاڑ کر، اور  
دوسروں کے سروں پر سے گذر کر آگے پہنچنے کی کوشش کرو۔ اگر آگے بیٹھنے کا شوق ہے تو پہلے آؤ۔ بعد  
میں ہانچ کر دوسروں کو تکلیف نہ دو۔

جگہ کم ہو تو گزارہ کرنے کے لئے سکر سمٹ کر بیٹھو۔ کھل کر اور پھیل کر بیٹھو گے تو دوسروں کو  
تکلیف ہوگی۔ کسی دوسرے کو تکلیف دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

کسی مجلس میں آؤ تو پہلے سلام کرو۔ لیکن وعظ ہو رہا ہو یا درس و تدریس جاری ہو۔ یا خطبہ  
پڑھا جا رہا ہو۔ تو خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ تاکہ درمیان میں مداخلت نہ ہو۔

صدر مجلس کا حکم مانو۔ بیٹھنے یا جانے کے بارہ میں جیسے کہا جائے، اس پر عمل کرو۔ اس سے  
نظم و نسق پیدا ہوتا ہے اور قومی کردار اچھا ہوتا ہے۔

## (۳۸) یتیموں کی خیر خواہی کرو

قُلْ اِصْلَاحٌ لِّسَلْمٍ خَيْرٌ

”اے نبی کہہ دو۔ (جس کام میں) یتیموں کی بہتری ہو۔ وہی بہتر ہے۔“ (البقرہ ۲: ۲۲۰)

مندرجہ بالا ارشاد الہی ایک اہم سوال کے جواب کا حصہ ہے۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ عنہم) جمعین نے یتیموں کے بارہ میں سوال کیا۔ سوال کچھ اس قسم کا تھا کہ نکھایتم اگر کسی کی نگرانی میں ہو۔ اور یتیم کی کچھ جائیداد غلہ یا مال و دولت ہو۔ ایسے میں اس کا مال اپنے مال میں اور اس کا کھانا اپنے کھانے میں کیجا کر لیا جائے۔ یا ہر چیز جدا رکھی جائے؟ جواب میں ارشاد ہوا۔

”کہہ دو جس کام میں یتیم کی بہتری ہو۔ وہی بہتر ہے۔ اور اگر ان سے بل جل کر ہو (خرچ اکٹھا کر لو تو بھی کوئی حرج نہیں) وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے بگاڑنے والے کو سوارنے والے سے۔ اور اللہ اگر چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔

بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔“ (البقرہ ۲: ۲۲۰)

اس واضح حکم کے باوجود اگر کوئی شخص کسی یتیم کا مال خورد برد کرتا ہے تو اسے یہ آیت یاد رہے  
 وَالتَّوَالِيَتِي اَمْوَالَهُمْ — اور یتیموں کے مال ان کے حوالے کر دو۔ اور پاک مال حرام مال سے نہ بدلو۔“ مزید فرمایا ”ان کے مال اپنے مال میں ملا کر خورد برد نہ کرو۔ کہ یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔“ مزید تنبیہ فرمائی ”ان کے بڑا ہو جانے کے اندیشہ سے فضول خرچی کے ساتھ ان کا مال جلدی نہ کھاپی ڈالو۔“ آگے چل کر ارشاد ہوا۔ ”جو لوگ ناحق یتیموں کا مال خورد برد کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بس انگارے بھرتے ہیں۔ اور عنقریب وہ دوزخ میں پڑیں گے۔“  
 (سورۃ النساء ۴: ۲ تا ۱۰) — ان تمام شدید احکام کے ساتھ یہ ارشاد بھی ہے۔

”اور مال جسے اللہ تعالیٰ نے (ایک طرح کا) سہارا بنا دیا ہے۔ ان یتیموں کے حوالے نہ کرو جو کہ کم عقل ہوں۔ ماں ان کے کھانے پینے میں صرف کرو۔ اور انہیں نرمی سے سمجھا دو۔ (النساء ۴: ۶) کیونکہ مقصود تو اصلاح احوال ہے۔ جیسے بھی ممکن ہو۔“

## (۳۹) مقروض کو مہلت دو

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا  
خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

”اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے فراخی تک مہلت دیدو۔ اور اگر اسے (قرضہ) معاف ہی

کردو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم سمجھو۔“ (البقرہ ۲: ۲۸۰)

دنیا میں شاید ہی کوئی انسان ایسا ہوگا۔ جسے زندگی میں کبھی کسی سے کچھ ادھار لینے کی ضرورت نہ پڑی ہو۔  
ایسے ہو یا غریب کبھی نہ کبھی اُسے کوئی شدید تجبوری آ رہی جاتی ہے۔ ایسے میں اگر ایک دوسرے سے تعاون  
نہ کریں اور ضرورت میں کسی کو قرضہ حسنہ نہ دیں تو کیسے کام چلے گا۔

خود حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت میں ادھار لیتے تھے۔ مگر واپسی کے لئے وعدہ کی پابندی  
کا پورا پورا خیال رکھتے۔ حضور ضرورت مندوں کی امداد میں سب سے پیش پیش رہتے۔ یہاں تک کہ اپنے  
پاس کچھ نہ ہوتا۔ تو کسی سے ادھار لے کر دیتے۔ یعنی کسی کو ادھار دینے کے لئے خود دوسرے سے  
ادھار لے کر اس کے مقروض ہو جاتے۔ جہاں تک ممکن ہوتا اور جیسے بن پڑتا کسی کو بائوس نہ فرماتے۔

سورۃ البقرہ کے آخری حصہ میں پورا ایک رکوع قرضہ دینے اور اس کے قواعد و ضوابط کے بیان  
پر مشتمل ہے۔ جس میں چھوٹی چھوٹی باتیں بالکل واضح کر دی گئی ہیں۔ تاکہ گڑبڑ کی کوئی صورت باقی نہ  
رہے۔ چند باتیں آپ بھی نوٹ کر لیجئے۔

”اے ایمان والو! جب کسی کو مقررہ مدت کے لئے قرض دو تو لکھ لیا کرو۔

لکھنے والا قرضہ کا کاغذ انصاف سے لکھے۔ اور لکھنے سے انکار نہ کرے۔

قرض کی دستاویز مقروض خود لکھوئے اور اگر وہ کم سمجھ یا کمزور ہو اور نہ لکھا سکتا۔ تو اس کا وارث لکھائے۔

قرض کے کاغذ پر دو مردوں کی گواہی ڈلوانی جائے۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی۔

گواہ کبھی گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ اور گواہوں کو ان کی گواہی کے باعث نقصان نہ پہنچایا جائے۔

قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی دستاویز لکھنے لکھانے میں سستی نہ کرو۔“ (خلاصہ البقرہ رکوع ۳۹)

## (۴۰) پورا تولو۔ پورا ناپو

وَأَذِقُوا الْكَيْلَ إِذَا كَلْتُمْ وَذَلُوا بِالْقِسْطِ أَلْمُسْتَقِيمِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ بَأْوِيلًا

جب ناپ کر دو تو پیمانہ پورا بھر کر دو (تولنا ہو) تو ترازو سیدھی رکھ کر تولو۔ یہ بہت اچھی بات

ہے۔ اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۵)

ناپ تول کے بارہ میں اس قدر واضح حکم کے باوجود ایک دوسری آیت میں یہی ارشاد اللہ پاک نے یوں دہرایا ہے۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَلْمُسْتَقِيمِ ۝  
 (جب ناپو تو) پیمانہ بھر کر دیا کرو۔ دوسروں کو نقصان پہنچانے والے نہ بنو (جب تولو تو)  
 ترازو سیدھی رکھ کر تولو۔ (الشعراء ۲۶: ۱۸۱ و ۱۸۲)

تول میں کمی بیشی کرنا انصاف اور ایمان والوں کے خلاف ہے۔ اور کوئی انصاف پسند، دیانت دار ایسی حرکت سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک سچے مسلمان سے ہم ہرگز توقع نہیں کر سکتے۔ کہ وہ یہ جرم کرے گا۔ سرور کائنات علی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ "ایک دیانت دار تاجر کا حشر شہداء اور صالحین یا نبیوں اور رسولوں کے گردہ میں ہوگا۔" اب ہمیں خود اندازہ کر لینا چاہیے کہ جو تاجر بد دیانت ہوگا اس کا حشر کس کے ساتھ ہوگا۔

قدیم شہر مدین کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ اس کے باشندے ناپ تول میں بد دیانت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔ جب نبی کی پوری کوشش کے باوجود ان لوگوں نے اس بد دیانتی سے توبہ نہ کی تو ان پر آسمان سے عذاب ٹوٹا۔ اور زلزلہ کے شدید جھٹکے آئے۔ یوں وہ تباہی کا شکار ہو گئے۔ اور ایسے مٹے کزناہ دستان بنا کر رہا۔ قرآن مجید کی سورہ صود، سورہ شعراء، سورہ اعراف اور دوسرے حصوں میں اس بد نصیب قوم کا بار بار تذکرہ ہوا ہے۔ تاکہ اللہ کی آخری کتاب پڑھنے والے عبرت حاصل کریں۔

اللہ کے حکم

قرآن حکیم کی ہم نہی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين



# (۱) شرک نہ کرو

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ

”بیٹا! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔“ (لقمن ۳۱ : ۱۳)

حضرت لقمنؑ نے بیٹے کو یہ وصیت و نصیحت کرتے ہوئے صاف لفظوں میں تشبیہ کر دی کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ”بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ شرک یقیناً بڑا بھاری ظلم ہے۔“

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ شرک کسے کہتے ہیں؟ شرک کے معنی میں شریک کرنا یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا قدرتوں اور حکموں میں شریک سمجھنا یا کسی کو اس کے برابر یا اس کے مد مقابل قرار دے لینا۔ جبکہ اللہ کی ذات ہر لحاظ سے یکتا ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے۔ نہ کوئی اس کا ہمسرہ ہے۔ نہ مد مقابل ہے کوئی اس جیسا نہیں۔ مہلایہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کے برابر ہو جائے؟

شرک ایک ظلمِ عظیم ہے۔ واقعی اس سے بڑا اور ظلم کیا ہوگا کہ کوئی بندہ اپنے خالق و مالک کا حق چھین لے۔ کسی کو اس کی صفات دے دے یا کسی کو اس کی قدرتوں کا مالک بنا بیٹھے۔ یا اپنے باطل گمان میں کسی کو اس کی خدائی میں سا جھی بنا لے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کو بخشش سے محروم قرار دے دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَعْزُبُ عَنْكَ بَدَءُ — ”اللہ اس بات کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنا لیا جائے۔ اس کے سوا اور جس (گناہ) کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنا یا وہ (صحیح) راہ سے دُور جا پڑا (النساء ۴ : ۱۱۶)

ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں تشبیہ فرمائی ہے :-  
فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنُ مِنَ الْمَعْدُوْبِيْنَ ۝ ”اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ پکارنے لگنا۔ ورنہ (دوسرے مشرکوں کی طرح) تم بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔“ (الشعراء ۲۶ : ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے بڑے کو شرک سے محفوظ رکھے۔

## (۲) اللہ کی رحمت سے یایوس نہ ہو

لَا تَأْسُؤْ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْسُؤُ مَنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ  
 ”اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ کی رحمت سے تو کافر ناامید ہوا کرتے ہیں“

(یوسف ۱۲ : ۸۷)

یہ آیت سورہ یوسف کے آخری حصہ میں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات آپ نے ضرور پڑھے ہوں گے۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھے۔ اور بچپن ہی سے نیک خصلت تھے۔ ان کے سوتیلے بھائی ان کی خوبیوں کے باعث ان سے جلنے لگے۔ اور انہیں دھوکہ سے جنگل لے گئے۔ ان بھائیوں نے انہیں ایک کنوئیں میں گرا کر اپنی طرف سے ان کا کام تمام کر دیا۔ اور اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام کو آ کر جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ یوسف کو بھیر یا کھا گیا ہے۔ یقین دلانے کو جھوٹ موٹ خون میں لقمہ اٹھا کر لاکر دکھا دیا۔ اس واقعہ کو کئی برس گزر گئے۔ حضرت یعقوب کو اپنے چھینے بیٹے حضرت یوسف کا کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ ان کے غم میں بیچا روٹے تھے لیکن وہ کبھی یایوس نہیں ہوئے۔ انہوں نے ان بیٹوں سے کہا جاؤ تلاش کرو۔ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ ان لوگوں نے مذاق اڑایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کی زبانی کہلایا۔

”اللہ کی رحمت سے یایوس نہ ہو۔ بیشک اس کی رحمت سے

کافر یایوس ہوا کرتے ہیں“

اسی سلسلہ میں اللہ پاک نے اپنے آخری نبی دو جہان کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ حکم دیا ہے یَعْبَادِيَ الَّذِينَ آسَأُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ”اے میرے وہ بندو۔ جنہوں نے (غلطیاں کر کے) اپنے اوپر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے یایوس نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تمام غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (الزمر ۳۹ : ۵۳)

### (۳) شہید کو مردہ نہ کہو

لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أحيَاءٌ وَاَلَيْسَ لِمَنْ لَا يَشْعُرُونَ

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہنا۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔

لیکن تم نہیں جانتے (البقرہ ۲: ۱۵۲)

اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگا دینے والے مرتے نہیں۔ بلکہ وہ جان دے کر حقیقی زندگی

پالیتے ہیں۔ ان کی زندگی حیات جاوید بن جاتی ہے۔ اسی لئے انہیں مقتول یا مردہ نہیں بلکہ شہید کہا جاتا ہے۔

اللہ کی راہ سے کیا مراد ہے؟ سیدھا سادہ جواب ہے۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے

کے لئے سر و دھڑ کی بازی لگانا اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے، اسلامی ریاست کے تحفظ کے

لئے، دفاعِ وطن کے لئے، مسلمانوں کی جان و مال، اور آبرو کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جانا جہاد ہے اور اس راہ میں جان دینے والا شہید ہے۔ زندہ جاوید ہے۔

شہادت کا درجہ کتنا بلند ہے؟ اور شہید کا مرتبہ کتنا اونچا ہے؟ اس کا اندازہ اس

بات سے کر لیں کہ شہید کو غسل دینے کی ضرورت ہے۔ نہ کفن پہنانے کی حاجت ہے۔ اللہ پاک

کو اس کا خون آلود جسم، اور خاک و خون میں لتھڑے کپڑے ہی مقبول و محبوب ہیں۔ اور تو اور

قبر میں اس کے جسم کو نہ کپڑے چھڑتے ہیں نہ مٹی خراب کرتی ہے۔ شہیدوں کے متعلق قرآن مجید

کی ایک اور آیت میں یوں آتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ط "جو لوگ اللہ کی راہ

میں مارے جائیں انہیں مرے ہوئے نہ سمجھ بیٹھنا۔ بلکہ وہ تو اللہ کے نزدیک زندہ

ہیں۔ انہیں رزق مل رہا ہے۔ جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے بخش رکھا ہے وہ

اس میں خوش ہیں۔"

(آل عمران ۳: ۱۶۰ و ۱۶۱)

## (۴) جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان ہو جائے۔ تو یاد الہی (نماز جمعہ) کے لئے جلدی کرو۔ اور کاروبار چھوڑ دو۔ اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے“

(الجمعة ۶۲: ۹)

دوسری آیت میں مزید فرمایا۔ ”جب نماز ہو چکے تو اپنی راہ لو۔ اور اللہ کا فضل (روزہ) تلاش کرو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہو۔ تاکہ تم نجات پاؤ۔“ اس کے ساتھ ہی فرمایا۔ ”اور جب یہ لوگ سووا بکتا ہوا۔ یا تماشہ ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو ادھر بھاگ جاتے ہیں۔ اور تمہیں کھڑے کا کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ کہہ دو! جو چیز اللہ کے ہاں ہے۔ وہ تماشہ اور سودے سے کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (الجمعة ۶۲: ۹ تا ۱۱) سورہ جمعہ کی ان آیات سے مندرجہ ذیل احکام و مسائل نکلتے ہیں۔

۱۔ نماز جمعہ دوسری نمازوں کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ لہذا اذان سن کر کاروبار اور خرید و فروخت بند کر دینا واجب ہے۔

۲۔ اذان کے بعد نماز کی ادائیگی اور ذکر الہی کے لئے مسجد کی طرف لپکنا چاہیے۔

۳۔ نماز اور خطبہ جمعہ کے وقت مسجد چھوڑ کر کاروبار یا کھیل تماشہ میں شریک ہونا ایک اچھے مسلمان کا کام نہیں۔

۴۔ نماز کے بعد چھٹی ضروری نہیں بلکہ روزی کمانے میں لگ جانا چاہیے۔ اور اس حال میں بھی اللہ کی یاد نہیں بھولنی چاہیے۔ روزی کمانا اللہ کا فضل تلاش کرنا ہے۔

۵۔ ایک مسلمان کے لئے ان احکام کی پابندی ہی بہتر ہے۔ رزق رساں اللہ ہے۔

## (۵) حلال کو حرام نہ بنا لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ  
لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا

”اے ایمان والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ ان کو حرام نہ بنا لو۔ اور حد سے زیادہ نہ بڑھو۔“ ساتھ ہی فرمایا۔ ”یقیناً حد سے بڑھنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔“

(المائدہ ۵ : ۸۷)

حلال سے مراد وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ نے جائز قرار دیا ہے اور ان کے استعمال کی اپنے بندوں کو عام اجازت دے دی ہے۔ اور حرام ان چیزوں کو کہتے ہیں جنہیں ناجائز فرما دیا ہے۔ یعنی ان سے روک دیا ہے۔ اب حلال کو حرام سمجھنا اور حرام کو حلال کی طرح استعمال کرنا اپنی حد سے آگے بڑھنے والی بات ہے جو اللہ کو کسی طرح پسند نہیں۔ اس سے دین کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور معاشرہ کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ حرام چیزوں میں سرفہرست ہیں۔ ”مردار، جانور، خون، سور کا گوشت، اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔“ (البقرہ ۲ : ۱۷۳)۔ اسی طرح کچھ اور جانور حرام ہیں۔ جن کا ذکر واضح طور پر کلام اللہ میں موجود ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کسی کا ناجائز مال، لوٹ کھسوٹ اور رشوت کا مال صریح طور پر حرام ہے۔ کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ حرام چیزوں کی طرف دیکھے بھی۔

ارشاد الہی ہے کُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ”جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔“ (البقرہ ۲ : ۱۶۸) ایک دوسری جگہ یوں فرمایا کُلُوا مِمَّا كَرِهَ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ”اور جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔“ (المائدہ ۵ : ۸۸)

خلاصہ یہ ہوا کہ حلال اور طیب خوشی سے کھاؤ۔ حرام کے قریب نہ جاؤ۔ نہ حرام کو حلال بنا لو۔ نہ حلال کو اپنے اوپر حرام کر لو۔

## (۶) قسم نہ توڑو

لَا تَنْقُضُوا الْاِيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

پہلی قسمیں کھانے کے بعد ان کو نہ توڑو۔ (النحل ۱۶: ۹۱)

سورہ نحل چودھویں پارہ کی مشہور سورہ ہے۔ اس کی دو آیات میں اسی حکم کی تفصیل مذکور ہے۔ ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ”اور اللہ سے وعدہ کر لینے کے بعد اسے پورا کرو (یعنی اللہ کی قسم کھانا اللہ سے وعدہ کر لینے کے برابر ہے۔ لہذا) پختہ قسمیں کھانے کے بعد ان کو نہ توڑو۔ اور تم تو اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو۔“ اس دوسری آیت پر خاص طور سے توجہ دیجئے۔ قسمیں توڑنے والے کی حالت کس کے مشابہ بیان ہوئی ہے؟ فرمایا ”اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے محنت سے سوت کا تار (مگر خود ہی اپنے ہاتھوں) اسے توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔“ (النحل ۱۶: ۹۱ و ۹۲)

یہ آیات کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ واقعی قسم کھانے والا اپنے بیان اور اعلان کے لئے اللہ کو ضامن ٹھہراتا ہے۔ اور دوسرا آدمی اس پر اسی لئے اعتبار کرتا ہے کہ وہ اللہ کو درمیان میں لے آیا ہے۔ اب اگر وہ قسم توڑتا ہے۔ تو صرف یہی نہیں کہ اپنے قول قرار سے پھرتا ہے بلکہ دراصل وہ اللہ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے اپنی بے دلیل اور بے بنیاد بات کے لئے جھوٹ موٹ قسم کھائی مگر اسے بھی توڑ دیا۔ جیسے کوئی بڑھیا بصد مشکل سوت کا تارے۔ اور پھر خود ہی اسے توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

اول تو انسان کو ایسی بات ہی نہ کرنی چاہیے جس کے لئے اس کے پاس دلیل نہ ہو یا لوگ اس پر اعتبار نہ کرتے ہوں اور اسے قسم کا سہارا لینا پڑے۔ اور اگر قسم کھائی ہے تو اسے بہر حال نباہنا فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے باز پرس نہیں کرے گا۔“ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّدُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاِيْمَانَ ”لیکن وہ تم سے تمہاری پختہ قسموں پر (ضرور) پرسش کرے گا۔“ پھر فرمایا ”اگر کوئی شخص سنجیدگی سے قسم کھا کر توڑ دے گا“ اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے۔ جو اوسط درجہ کا کھانا تم اپنے اہل و عیال کو

کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑے پہنانا۔ یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ دھبی (میسرینہ ہو وہ تین روزے رکھے۔

یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ جب تم قسم کھاؤ اور اسے پورا نہ کر سکو) تمہیں چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ (المائدہ ۵-۱۸۹)

## (۷) بے حیاء نہ ہو جاؤ

وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

اور اللہ منع فرماتا ہے بے حیائی سے، بُری حرکتوں سے، اور سرکشی سے (النحل: ۱۶: ۹۰)

تہذیب و شرافت اور اخلاقی درستی و نادرستی کا بہت حد تک انحصار انسان کی حیاء پر ہے۔ اس لئے کہ جس انسان کے دل میں حیاء ہوتی ہے وہ ہر بُرائی اور بد اخلاقی سے بچتا ہے۔ اس سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اس سے لجنا شرماتا ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ انسان بے حیاء ہو جائے تو پھر اس کے لئے گناہ کوئی گناہ نہیں رہتا۔ اور وہ کسی بُرائی کو بُرائی نہیں سمجھتا۔ اس صورت میں توبہ کرنے اور گناہ سے باز رہنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ ”حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے۔“ اسی طرح حضور نے فرمایا ”جب حیاء باقی نہ رہے تو جو چاہو کرتے پھرو۔“ ”حیاء“ کے معنی ہیں گناہ اور بُرائی سے دل میں نفرت کا پیدا ہونا۔ جس کا اظہار ندامت و شرمندگی سے ہوتا ہے۔ جب دل میں شرمساری ہوتی ہے تو نگاہیں بھی شرمندگی سے جھبک جاتی ہیں۔ چہرہ پر بھی اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس بے حیاء انسان بالکل ڈھیٹ بن جاتا ہے۔ اس پر کسی لعن طعن، ڈانٹ ڈپٹ، اور فہمائش کا اثر نہیں ہوتا۔ پھر ایسے انسان کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ۗ اور تم بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھینکنا۔ خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے ہوں؟ (الانعام: ۶: ۵۱) مختصر یہ کہ غیرت، شرافت، اور اخلاقی برتری کا دار مدار حیاء پر ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔ کہ اچھی باتوں اور نیکی کے کاموں سے ہچکچانا حیاء نہیں۔ جیسے بعض آدمی اذان دینے سے اور دوسروں کو تبلیغ کرنے سے شرماتے ہیں۔ اور اسے حیاء سمجھتے ہیں۔

## (۸) بدظنی سے بچو

اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا

”بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور تجسس نہ کیا کرو۔“ (الحجرات ۱۲:۴۹)

اس آیت مبارکہ میں ”ظن“ سے پرہیز کرنے کی ہدایت دی گئی ہے ”ظن“ کے معنی ہیں گمان اور اندازہ کرنا، قیاس اور تخمینہ لگانا۔ انسانی قیاس اور گمان اچھا بھی ہوتا ہے۔ اور بُرا بھی۔ کبھی دوسروں کے بارہ میں ہم نیک گمان کرتے ہیں۔ کبھی بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور خود بخود ہی غلط قیاس کر کے غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ ہم کسی کے دل کو نہیں پڑھ سکتے۔ لہذا اگر تحقیق کے بجائے محض گمان اور قیاس سے کام لینا شروع کر دیں تو اس بات کا بڑا امکان ہے کہ ہمارا خیال غلط ہو۔ اور اس کے نتیجہ میں ہمارے تمام فیصلے غلط ہو جائیں۔ چنانچہ جو طالب علم اصل کتاب پڑھنے کے بجائے محض ”گیس پیپر“ پڑھتے ہیں۔ وہ اکثر ناکام رہتے ہیں۔ چونکہ گیس محض ایک گمان اور خیال ہوتا ہے۔ جو صحیح بھی نکل سکتا ہے اور بالکل غلط بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ لہذا ہر کام میں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کی بنیاد تحقیق پر رکھنی چاہیے۔

دوسرے یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

ظَنُّوا الْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا

”اہل ایمان کے ساتھ نیک گمان رکھو۔“

\_\_\_\_\_ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط

\_\_\_\_\_ جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان، آنکھ اور

دل ان سب (کے بارہ میں تجھ سے) باز پرس ہوگی۔“ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۶)

لہذا اپنے دل و دماغ کو کبھی بھی بدگمانی کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔



## (۹) غیبت نہ کرو

لَا يَغْتَابُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ  
مَيْتًا فَلَئِمَّ مَوْتُهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ

تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے  
مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ سو تم اس سے ضرور نفرت کرو گے۔ اور اللہ سے ڈرو۔

بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا نہایت ہر بان ہے۔“ (الحجرات ۲۹ : ۱۲)

”غیبت“ کے معنی ہیں کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بُرائی کرنا۔ خواہ اس کے اندر واقعی وہ بُرائی  
موجود ہو۔ اس لئے کہ اگر یوں ہی کسی کے بارہ میں ایسی بات کہہ دی جائے۔ جو حقیقت اور واقعہ کے  
خلاف ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں۔ جو ایک شدید جرم ہے۔

غیبت یہ ہے کہ انسان بلا ضرورت کسی کی بُرائیاں اس کے پیٹھ پیچھے دوسروں سے بیان کرتا  
پھرے خصوصاً ایسی باتیں جو اس کے سامنے تو بیان نہ کرے لیکن اس کی عدم موجودگی میں دوسروں  
کے آگے اُن کا چرچا کرے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے پس پشت  
اس کی وہ بُرائیاں دوسروں سے نہ کہو جو تم اس کے سامنے بیان کرو تو اسے ناگوار گذرے۔

ایک بار پھر ارشاد الہی کو دوبارہ پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کو کس قدر  
گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔ کہ اسے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت نوح نوح کر  
کھانے سے مُشابہ بیان فرمایا ہے۔ کوئی سنگ دل سے سنگ دل انسان  
بھی یہ پسند نہ کرے گا۔ کہ وہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے اور پھر مرے ہوئے  
بھائی کا۔

کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بُرائیاں بیان کرنے سے اس کی بدنامی تو خوب  
ہو جاتی ہے۔ لیکن اصلاح ہرگز نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ آپس میں اختلاف اور دشمنی بھی  
پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اپنی بدنامی برداشت نہیں کرتا۔

## (۱۰) جھوٹ نہ بولو

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ كَفَّارٌ

بیشک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ناشکر ہے (الزمر ۳۹: ۳)

یہی اعلان ایک دوسری سورۃ میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ

بیشک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ، جھوٹا ہے۔ (المومن ۴۰: ۲۸)

گویا جھوٹے کبھی ہدایت نہیں پاتے۔ وہ ہمیشہ محروم ہدایت رہتے ہیں اور انہیں سیدھی راہ میسر نہیں آتی۔

قرآن مجید میں کاذب (جھوٹے) کی مذمت کم و بیش ۳۶ جگہ مذکور ہے۔ اور کذب (جھوٹ) کی برائی اور خرابیوں کا ذکر ۱۴۹ مقامات پر مختلف آیات میں ہوا ہے۔ غالباً کسی اور برائی کی مذمت اس قدر نہیں ہوئی۔ واقعی جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس ایک جرم سے ہزار جرم جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے انسان کو دس اور جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ جو کسی حال میں جھوٹ نہیں بولتے۔ جھوٹوں کا ساتھ نہیں دیتے۔ اور جھوٹے کام نہیں کرتے۔ نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی ایک نشانی یہی بیان فرمائی ہے۔ وَعِبَادِ الرَّحْمَنِ — الَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرَ " اللہ کے بندے وہ ہیں۔ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے" جھوٹا انسان ہر ایک کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے۔ اُسے ہر جگہ رسوائی اور ذلت کا سامنا ہوتا ہے۔ نہ کوئی اس کی بات سنتا ہے۔ نہ اس کے بیان پر کان دھرتا ہے۔ شریعت کا فیصلہ ہے کہ اُس کی گواہی کوئی عدالت قبول نہ کرے۔ خود بخود کریں ایسی زندگی کس کام کی جس میں انسان کی اس قدر رسوائی اور بے عزتی ہو۔

## (۱۱) غرور نہ کرو

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ط

» اور لوگوں کے آگے (غرور) سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکر کر نہ چلنا کہ اللہ

کسی اترنے والے، غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ (لقمن ۳۱ : ۱۸)

یہ اس نصیحت اور وصیت کا ایک اہم حصہ ہے جو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو فرمائی تھی۔ اور وہ قیامت تک کے لئے قرآن مجید میں محفوظ ہوگئی۔ اللہ رب العزت کو فخر و غرور اور شیخی و تکبر کسی طور پسند نہیں۔

عام طور پر انسان دنیوی ترقی، مال و دولت، حسن و جمال، قوت و طاقت یا اپنی کامیابی و کامرانی پر اترانا شروع کر دیتا ہے حالانکہ » دنیا اور دنیا کی زندگی محض ایک کھیل تماشا ہے۔

اس تمام زیب و زینت، فخر و غرور، اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مال و دولت کی خواہش کی مثال ایسے ہے۔ جیسے بارش ہو۔ جس سے کھیتی اگتی ہے۔ اور کسان کو کھیتی بہت بھلی لگتی ہے۔ پھر وہ خوب زوروں پر آتی ہے۔ (لیکن) پھر دیکھتے دیکھتے زرد پڑ جاتی ہے۔ آخر چورا چورا ہو جاتی ہے۔ — دراصل دنیا کی پوری زندگی فقط ایک متاع

فریب ہے۔ (المحید ۵۷ : ۲۰)

اسی سورۃ میں دوبارہ اللہ جل شانہ نے فرمایا وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ه» اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس پر

اترنا نہ کرو۔ اللہ کسی اترنے والے، شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔ (المحید ۵۷ : ۲۲، ۲۳)

قاد مطلق اللہ بزرگ و برتر کے آگے انسان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ انسان کا غرور

کرنا محض ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ عربی زبان میں غرور کے معنی ہی دھوکہ

اور فریب کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس دھوکہ سے محفوظ رکھے۔

غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔

## (۱۲) شیخی باز نہ بنو لَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ

اللہ پاک تمہیں نعمتیں عطا فرمائے تو ان پر تم اتراؤ نہیں۔ (المحید ۵۷: ۲۳)

یہ آئیہ مبارکہ ہم اس سے پہلے صفحہ پر بھی نقل کر چکے ہیں جس طرح تکبر اور غرور اللہ کریم کو ناپسند ہے۔ اسی طرح شیخی مارنا اور اترا مانا سے پسند نہیں۔ اللہ جل شانہ کے سامنے انسان کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنی سمندر کے آگے ایک قطرہ کی ہو۔ یا صحراؤں میں بے مقدار ایک ذرہ کی ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو اگر تین باتیں یاد رہیں تو کبھی اس کے ہونٹوں پر منہسی نہ آئے۔ اول یہ کہ میں کس چیز سے پیدا ہوا ہوں (ایک گندے قطرہ منی سے) دوسرے یہ کہ میں اپنے پیٹ میں کیا اٹھائے پھرتا ہوں۔ (انتہائی گندہ بول و براز) تیسرے یہ کہ مرنے کے بعد اس جسم کا کیا بنے گا۔ (گل سڑ جائے گا اور قبر کے کیڑوں کی غذا بنے گا)۔

اپنی تمام ترقوتوں اور عظمتوں کے باوجود اور اپنے تمام علم اور فضیلتوں کے باوجود انسان کی بے بسی اور بے کسی کی حالت یہ ہے کہ اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا سے کب اچانک سفر ہو جائے گا اور کل کیا ہونے والا ہے۔ اور تو اور اُسے پل کی خبر نہیں۔ دنیا جہان کی باتیں تو بڑی باتیں ہیں اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اپنے جسم میں کیا ہو رہا ہے۔ اگر درد ہے تو کہاں ہے؟ اور کس وجہ سے ہے؟ اور کیسے دور ہوگا؟

اب انسان اترائے تو کس بات پر؟ اور شیخی مارے تو کس منہ سے؟ حسن و جمال ہے تو چند روزہ۔ طاقت و قوت ہے تو عارضی۔ مال و دولت ہے تو ناپائیدار۔ سلطنت و حکومت ہے تو فانی اور آنی جانی۔ بہتر یہی ہے کہ ہم آپس سے باہر نہ ہوں۔ اپنی حقیقت کو پہچانیں۔ شیخی بازی سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کو بندہ کی عاجزی پسند ہے۔ اور اس کے بندے بھی انکساری کی قدر کرتے ہیں۔

## (۱۳) اکڑ کر نہ چلو

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ  
تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا

”اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ کہ تو زمین کو پھاڑ نہیں ڈالے گا۔ اور لمبا ہو کر پہاڑوں کی  
چوٹیوں تک نہیں پہنچ جائے گا۔“ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۸)

حضرت لقمنؑ نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی تھی کہ ”بیٹا زمین پر اکڑ کر  
نہ چلنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اترانے والے اور شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔“  
اب یہاں سورہ بنی اسرائیل میں بھی یہی حکم خداوندی موجود ہے۔ اور اس  
وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ انسان اپنی چال سے نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے۔  
نہ پہاڑوں کی چوٹیاں پھلانگ سکتا ہے۔ تو پھر چال میں اکڑ کیسی؟ اور  
اترانے کے کیا معنی؟

ہمارے حضورؐ اور دو جہان کے سردار (فداہ ابی وامی) کی چال کا اندازہ کیا تھا؟  
ان کے صحابہؓ کی زبانی سنئے۔ ”حضورؐ اس طرح سنبھال سنبھال کر قدم رکھتے جیسے کوئی بلندی  
سے نیچے اتر رہا ہو۔ اور احتیاط سے چل رہا ہو۔ اگر کوئی بڑی عمر کا آدمی سامنے ہوتا تو اس سے  
آگے نکلنے کی کوشش نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ کوئی بوڑھا یہودی آگے جا رہا تھا تو آپ نے اُس  
کی خاطر اپنی رفتار دھیمی کر لی۔ اور اس سے آگے نکلنا پسند نہ کیا۔“

مسلمان بچوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم  
کے اس مبارک نمونہ کو ہر دم سامنے رکھیں۔ بھاگ دوڑ اختیار نہ کریں۔ درمیانہ قدموں  
سے چلنے کی عادت ڈالیں۔ چلتے ہوئے ادھر ادھر تاک جھانک ہرگز نہ کریں۔ نگاہ  
اپنے سامنے رکھیں۔ کسی بزرگ سے ہرگز آگے نہ نکلیں۔ رفتار میں ادب اور وقار  
اختیار کریں۔ اکڑ اور تکبر کے قریب نہ جائیں۔

## (۱۴) کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے

لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ

”کوئی کسی دوسرے کا مذاق نہ اڑائے۔ ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں“ (المحجرات ۴۹: ۱۱)

تمسخر یہ ہے کہ دوسرے پر پھبتیاں کسی جا میں۔ اور اس انداز سے بات کی جائے جس سے اس کی شبکی ہوتی ہو۔ اور بے عزتی کا پہلو نکلتا ہو۔ مذاق سے مقصود خوش طبعی ہے۔ مذاق کی شرط یہ ہے کہ کوئی بات خلاف واقعہ نہ ہو اور نہ کسی کی دل آزاری ہو اور نہ اس کی عادت بنالی جائے۔ گاہے اتفاقاً ہو جائے۔ جس سے دونوں کو خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہو جبکہ مذاق اڑانے سے ایک کو خوشی اور دوسرے کو تکلیف اور دل آزاری ہوتی ہے۔

تمسخر کی بُرائی اس امر سے اور واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی عام ممانعت کرنے کے بعد عورتوں کو بھی حکم دیا وَلَا يَسْخَرُ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ۔ ”اور نہ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں (کیونکہ وہ جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں“ (۱۱: ۴۹)

اگر آپ ذرا غور کریں تو آپ پر فوراً واضح ہو جائے گا کہ تمسخر وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو اعلیٰ اور دوسرے کو ادنیٰ سمجھتے ہیں۔ دوسرے کی حقارت میں لطف محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ سب انسان برابر ہیں اور ایک باپ کی اولاد ہیں۔

خوش طبعی انسان کے اچھے ذوق کی دلیل ہے اس سے گفتگو میں لطف اور محبت میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ سے کبھی کبھی نہایت شہ مذاق فرماتے تھے۔ اس کے برعکس مذاق اڑانے اور تمسخر کرنے سے گناہ کے علاوہ بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے کی طبیعت بدمزہ اور محبت برہم ہو جاتی ہے۔ مردوں سے زیادہ عورتوں میں اس کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ کریم نے انہیں بطور خاص بھی اس سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔

## (۱۵) کسی پر تہمت نہ لگاؤ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝

”ہر اس شخص کے لئے بڑی تباہی و بربادی ہے جو دوسروں کی عیب چینی

اور بدگوئی کرتا ہے۔“ (الہمزہ ۱۰۴: ۱)

سورۃ الحجرات کے اندر نہایت واضح لفظوں میں حکم دیا گیا ہے لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ

”اپنے (مومن بھائیوں کو) عیب نہ لگایا کرو۔“ (۴۹: ۱۱)

سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ  
مَا كَتَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ ”جو لوگ مومن مردوں اور  
مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں۔ جو کام انہوں نے نہیں کیا ہے۔  
تو (انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ) انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر ڈال لیا ہے۔  
(المؤمنون ۲۳: ۵۸)

سورۃ النور میں اس سے بھی شدید لفظوں میں تہمت کی مذمت آئی ہے۔ فرمایا۔ ”جو لوگ  
پرہیزگار اور بڑے کاموں سے بے خبر ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں۔ ان پر  
دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔ اور انہیں بڑا سخت عذاب ہوگا۔“ (۲۴: ۲۳) اسی سورۃ  
کی اگلی آیت میں فرمایا کہ ان تہمت لگانے والوں پر اس دن بڑا عذاب ہوگا۔ ”جس  
دن ان کی زبانیں، اُن کے ہاتھ، اور اُن کے پاؤں اُن کے ان اعمال کی گواہی  
دیں گے۔“ (النور ۲۴: ۲۴)

یہ تو آخرت کے عذاب کی بات تھی۔ اس دنیا کی سزا بھی سن لیجئے۔ فرمایا  
”جو لوگ پرہیزگار عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں۔ تو  
انہیں ۸۰ کورے مارو۔ اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔“ (النور ۲۴: ۴ و ۵)

— یہ ہے تہمت اور اس جرم کی سزا —

## (۱۶) کسی کا نام نہ بگاڑو

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمَاءُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ  
وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

”ایک دوسرے کے بُرے نام نہ ڈالو۔ ایمان کے بعد نام بگاڑنا گناہ ہے۔ جو توبہ نہ کریں سو وہی ظالم ہیں۔“ (الحجرات ۲۹ : ۱۱)

اس آئیہ مبارکہ میں ایمان والوں کے بعد کسی مؤمن کا نام بگاڑنے کو بدترین فعل اور گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اس مجرم کے مرتکب کو ظالموں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ایمان کے بعد گناہ کے نام رکھنا اور اچھے بھلے ناموں کو بگاڑنا ہرگز روا نہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا۔ اور نہایت عمدہ اور پیارے نام ایسے بدل دیے جاتے ہیں کہ اُن کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے۔ غلام محمد، سراج الدین، اور معراج الدین کتنے اچھے اور بامعنی نام ہیں۔ لیکن عرفِ عام میں یہ عزیز گاما، سناجا اور ماجا بن کر رہ گئے ہیں۔ یہی حال فاطمہ اور عائشہ جیسے باوقار ناموں کا ہے۔ کہ بلا تکلف انہیں عشو اور فتویٰ میں بدل دیا جاتا ہے۔

بعض بچوں کے نام ایسے بگڑتے اور بدلتے ہیں کہ اصل نام والدین کو بھی یاد نہیں رہتے۔ اور بعض نام تو ایسے مفتح کہ خیر ہوتے ہیں کہ بچے بڑے ہو کر خود ان کے ذکر سے شرماتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ نام انسان کی ذات اور اُس کی شخصیت کا بڑا نشان ہوتا ہے۔ اچھے نام سے اُس کے اچھے خاندان کا پتہ چلتا ہے۔ اور گھٹیا نام اس کی ذات برادری اور خاندانی پستی کا پتہ دیتا ہے۔

نام کا اثر انسان کے اپنے کردار پر بھی بہت گہرا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضورِ اکرم (نداء ابی دُمتی) نے بچوں کے اچھے نام رکھنا والدین کا فریضہ مقرر فرمایا ہے۔



## (۱۷) کرید نہ لگایا کرو لَا جَسَّسُوا

ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو۔ (الحجرات ۴۹ : ۱۲)

”تجسس“ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لفظی معنی تھے۔ ”کسی کی رگ کو چھوٹنا“ یعنی نبض دیکھ کر حال معلوم کرنا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار۔ اسی مناسبت سے تجسس کے معنی ہو گئے۔ ”کسی دوسرے کے لئے خبریں تلاش کرنا۔ چھپی ہوئی باتوں کو کریدنا۔ چھپ کر باتیں سننا اور دوسرے کے رازوں کی کرید لگانا“ اللہ تعالیٰ نے دد لٹوک طور پر فرما دیا ہے۔ لَا جَسَّسُوا ”ایک دوسرے کے اندرونی حالات کا کرید نہ لگایا کرو۔“ انسان پر لازم ہے کہ وہ کسی دوسرے کی پوشیدہ باتوں اور چھپے ہوئے رازوں کی ٹوہ میں نہ رہے۔ اپنے ذاتی اغراض کے لئے کسی کے راز معلوم کرنے میں دلچسپی نہ لے۔ خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت غیر متعلق باتوں کے پیچھے ضائع نہ کرے۔ بڑی نیت سے دوسروں کے اندرونی راز نہ ڈھونڈتا پھرے۔ جاسوس کا مادہ بھی ”جسس“ ہے۔ (چھوٹا، حال دریافت کرنا) جاسوس اس کو کہتے ہیں جو دشمن کی خبر لائے۔ اگر حکومت مملکتی مقاصد کے لئے اور ملکی تحفظ کے لئے جاسوس مقرر کرتی ہے اور ہر قسم کے اندرونی و بیرونی رازوں سے باخبر رہنے کی کوشش کرتی ہے تو بہ بالکل مناسب بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ اس کا مدعا ملک کی بھلائی ہے نہ کہ شرف و فساد۔ لیکن کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے ذاتی مقاصد اور ذاتی خواہشات کے لئے دوسروں کی پوشیدہ باتیں کریدے۔ اور اندرونی رازوں کی ٹوہ لگائے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ شریف آدمیوں کو بدنام کرنے کے لئے اور کچھ نہیں پاتے تو ان کے خاندان اور برادری کا کھوج لگاتے ہیں۔ دوزن و دیک کے رشتہ داروں کی کرید کرتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی کمزوری مل جائے تو اسے اچھانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ امر کسی طرح بھی ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہر شخص کو اپنے کام سے غرض رکھنی چاہیے۔ اگر کسی کی کوئی کمزوری نظر آئے بھی تو اس کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔ بدنام کرنے کے لئے اسے ہرگز نہ اچھانا چاہیے۔

## (۱۸) کانا پھوسی نہ کرو

إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْذِرَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ  
بِضَارٍ لَهُمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط

نجوی (سرگوشیاں کرنا) تو شیطان کی حرکات ہیں۔ جو اس لئے رکھی جاتی ہیں کہ مومن غمناک ہوں۔ مگر اللہ کے حکم کے بغیر ان سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ (المجادلہ ۵۸: ۱۰)

”نجوی“ کے معنی سرگوشی اور کاننا پھوسی کرنے کے ہیں۔ یعنی بھری مجلس میں ایک دوا آدمی ایک دوسرے کے کان میں چپکے چپکے باتیں شروع کر دیں۔ یا اہل مجلس کو چھوڑ کر ادرا ایک طرف کھڑے ہو کر آپس میں سرگوشی کرنے لگیں۔ بظاہر یہ بات معمولی نظر آتی ہے۔ لیکن اس کے نقصانات بہت ہوتے ہیں۔

ادل تو سرگوشیاں وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دل میں خود چور ہوتا ہے۔ جو اپنی باتیں دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے کی ہمت نہیں رکھتے یا ان کی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو سب کے سامنے بیان کرنے کی نہیں ہوتیں اور ان کے ظاہر ہونے سے انہیں ڈر لگتا ہے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر سرگوشی کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے دوسروں کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔ اور کوئی گہری سازش کھڑی کر رہے ہیں۔ اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ ”کانا پھوسی عملِ شیطان ہے۔“

قرآن مجید کے اٹھائیسویں پارہ کی سورہ مجاولہ کا بڑا حصہ سرگوشیوں کی مذمت پر مشتمل ہے۔ پورے دوسرے رکوع میں اسی کا ذکر ہے۔ کلام پاک کا یہ حصہ کسی ترجمہ کی مدد سے پڑھیے اور اپنا محاسبہ خود کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم کاننا پھوسی کر کے مطمئن نہ ہو جانا کہ کسی کو پتہ نہیں چلا۔ اللہ کی ذات ہر جگہ اور ہر مجلس میں موجود ہوتی ہے۔ اگر تم دو ہو تو وہ تیسرا ہوگا۔ اگر تم چار ہو تو وہ پانچواں ہوگا۔ لہذا تمہاری کسی بات کا چھپنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرمایا کہ آپس میں مشورہ کرنا ہو تو گناہ اور زیادتی اور رسولِ خداؐ کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرنا۔ بلکہ نیکی اور برہنہ سازگاری کی باتیں کرنا۔

## (۱۹) اپنی خیرات ضائع نہ کرو

لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى

”اپنے صدقات و خیرات احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو“ (البقرہ ۲: ۲۶۴)

اسلام نے صدقات کو ”خیرات“ کے لفظ سے تعبیر کی ہے۔ اس کے معنی بھلائی اور نیکی کے ہیں۔  
— گویا ہم اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو اس پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے لئے بھلائی اور نیکی  
کا سامان کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ پاک نے اپنے آخری کلام میں فرمایا۔

”تم اپنے صدقات و خیرات احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔ اس  
شخص کی طرح جو (محض) لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ پر  
اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔“ (۲: ۲۶۴) جو لوگ محض دکھاوے کو یا  
احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے کو خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مثال  
اس کسان سے دی ہے جو کسی چٹان پر بیج ڈال دے۔ اور بارش برسے تو (غلہ  
اُگنے کے بجائے) اس کا بیج بھی بہہ جائے اور وہ ہاتھ ملتا رہ جائے۔

ارشادِ الہی یہ ہے کہ اپنے عزیز و قرابت دار کو یتیم اور مسکین کو مسافر یا سائل کو کچھ دینا اس  
اس پر احسان کرنا نہیں۔ بلکہ اس کا حق ادا کرنا ہے۔ جیسا کہ بار بار فرمایا ”اتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ“ —  
”قرابت دار کو اس کا حق دو“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن کے پاس مال و زر ہے ان پر فرض ہے کہ وہ  
ان غریبوں کو ان کا حصہ ادا کریں جن کے پاس نہیں ہے اس صورت میں کسی احسان کا کوئی سوال  
ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بھلا کبھی کوئی شخص قرض اور فرض ادا کرتے ہوئے بھی احسان دھرتا ہے۔  
کلام اللہ کی یہ آیت ہمیں ہر دم یاد رکھنی چاہیے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا  
مَحَبُودٌ ۝ ”تم کبھی نیکی نہ حاصل کر سکو گے۔ جب تک ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو گے جو تمہیں سب سے  
زیادہ عزیز ہیں۔“ (آل عمران ۳: ۹۲) ہم پر لازم ہے کہ خیرات و صدقات میں اپنی اچھی سے اچھی اور بہتر سے بہتر چیز  
ضرورت مندوں کو دیں۔ یہ نہیں کہ روٹی اور سیکار چیزیں دیکر سمجھیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

## (۲۰) فضول خرچی نہ کرو

لَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

”فضول خرچی نہ کرو۔ کہ اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

(الانعام ۶ : ۱۳۲)

فضول خرچی کے لئے قرآن مجید میں ”اسراف“ اور ”تبذیر“ کے لفظ آئے ہیں۔ اور ہر جگہ اس کی مذمت ہوئی ہے۔ فضول خرچی یہ ہے کہ انسان اپنا روپیہ پیسہ غلط کاموں میں اور بُری جگہوں پر خرچ کرے۔ نیکی کی بجائے حرام باتوں اور بدی کے کاموں میں لگائے۔ اور یہ بھی فضول خرچی ہوگی کہ کوئی شخص کسی جائز کام میں تو خرچ کرے لیکن ضرورت سے زیادہ اور حد سے بڑھ کر روپیہ لگائے اور اس طرح بیجا اپنی پاک کمائی کو ضائع کرنے کا سبب بن جائے۔

پندرہویں پارہ میں ارشاد خداوندی ہے لَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا — ”فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔ کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکر ہے۔“ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۶ و ۲۷) اگر غور کیا جائے تو فضول خرچی وہی شخص کرتا ہے جسے اپنے مال کی قدر نہ ہو۔ یعنی وہ ناشکر اور ناقدر ہوا۔ جسے پیسے کی قدر ہوگی وہ ایک پائی بھی ضائع نہیں کرے گا۔ اور نہ بے جا اڑائے گا۔

اسی پارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسُطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (خرچ کرنے میں) ہاتھ بالکل کھول ہی نہ دو۔ (کہ سمجھی کچھ دے ڈالو۔ اور) ملامت زدہ، در ماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔“ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۹)

اس کے برعکس اچھے بندوں کی صفت اللہ کریم نے یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا — ”اور وہ جب خرچ کریں تو بے جا نہ اڑائیں (کہ فضول خرچ ہو جائیں) اور نہ تنگی کو کام میں لائیں (کہ کنجوس بن جائیں)۔ بلکہ اعتدال سے کام لیں (کہ نہ تو ضرورت سے زیادہ اور غلط کاموں میں خرچ کریں۔ اور نہ کنجوسی سے کام لیں)۔“ — الفرقان ۲۵ : ۶۷

## (۲۱) بخیل نہ بنو

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

اور اپنے ہاتھ (بخیلوں کنجوسوں کی طرح) گردن سے نہ باندھ لو

(کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) (دینی اسرائیل ۱۷: ۲۹)

بخیل کے لئے دوسرا لفظ کنجوس ہے۔ یعنی وہ شخص جو روپیہ پیسہ ہوتے ہوئے تکلیف اٹھائے

اور جائزہ زوریات پر خرچ نہ کرے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور اللہ کے بندوں کی مدد کرنے سے ہاتھ روکے۔ مال و دولت سینت سینت کر رکھے مگر خرچ نہ کرے۔ ایسا آدمی نہ اللہ کا مقبول ہوتا ہے۔ نہ بندوں میں محبوب ہوتا ہے۔

کنجوس کے بارہ میں ارشاد الہی ہے فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ فَإِنَّمَا يُلْجَلُ عَنْ نَفْسِهِ

— ”سو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرنے لگتے ہیں۔ (وہ خوب یاد رکھیں) جو کوئی بخل کرتا ہے۔

وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ اللہ غنی ہے۔ محتاج تو تم ہو۔“ (اللہ کی ذات کو تمہارے مال کی

حاجت نہیں)۔ (سورہ محمد ۴: ۳۸)

ایک دوسری آیت میں بخل اور کنجوسی کو منافقوں کی علامت بیان کیا ہے فرمایا

يَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ — (جب اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو)

وہ اپنی مٹھیاں بھینچ بھینچ لیتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اللہ

نے بھی انہیں (اپنے انعام و اکرام اور رحمت و بخشش سے) بھلا دیا۔“ (التوبہ ۹: ۶۷)

توبہ توبہ۔ اللہ جل شانہ نے کس قدر شدید الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ — ”جن لوگوں کو اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے (روپیہ پیسہ) دیا ہے

اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں۔ تو وہ اس کنجوسی کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ تو ان کے

حق میں بہت بُری بات ہے (کیونکہ) وہ جس مال میں کنجوسی کرتے ہیں وہ عنقریب قیامت کے دن

ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔“ (آل عمران ۳: ۱۸۰) اَلْعِيَاذُ بِاللَّهِ

## (۲۲) خیانت نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا  
أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے ایمان والو! نہ اللہ رسول کی خیانت کرو۔ اور نہ آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

اور تم تو واقف ہو۔ (الانفال ۸ : ۲۷)

خیانت ضد ہے امانت کی۔ یعنی امانت و دیانت میں فرق آجانے کا نام خیانت ہے۔ کسی کی امانت میں رد و بدل کرنا، کمی بیشی کرنا یا ادائیگی میں مال موٹل کرنا خیانت میں داخل ہے۔

اللہ رسول کی امانت سے مراد ہے اللہ کا دین اور دین کی تعلیم، اللہ کی کتاب، اور کتاب اللہ کی طرف سے عام ہونے والی ذمہ داریاں۔ اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات ہمارے پاس ان کی امانتیں ہیں۔ اگر ہم ان میں کمی بیشی کریں گے۔ یا اللہ کے بندوں تک صحیح طور سے پہنچانے میں کوتاہی کریں گے تو یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص ہمارے پاس کوئی شے بطور امانت رکھے۔ تو ہم پر فرض عاید ہو جاتا ہے کہ اس کی حفاظت دل و جان سے کریں۔ جب طلب کرے تو فوراً واپس کر دیں۔ اس کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال میں نہ لائیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو خیانت ہو جائے گی۔ یہی نہیں اگر کوئی ہمیں اپنا راز دے تو راز بھی ایک امانت ہے۔ راز داری نہ کرنا اور اسے ظاہر کر دینا خیانت ہوگی۔ اگر کوئی مشورہ مانگے تو صحیح مشورہ دینا بھی دیانت و امانت کا حصہ ہے۔ اور غلط مشورہ دینا خیانت میں شامل ہوگا۔

ارشاد خداوندی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُكُمْ اَنْ تَوَدُّواْ لَآ اَمْنًا رَّالٰى اَهْلِيْهَا "اللہ تمہیں

یقیناً حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔" (النساء ۴ : ۵۸) اسی

طرح فرمایا وَمَنْ يَخْلُلْ يَاتٍ بِمَا غُلِّبَ۔ اور جو شخص خیانت کرے گا تو جو چیز اس نے

خیانت کی۔ قیامت کے دن اُسے لا حاضر کرنی ہوگی۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا

پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان سے نا انصافی نہیں کی جائے گی۔ (آل عمران ۳ : ۱۶۱)

## (۲۳) سائل کو نہ جھڑکو

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْهُ

اور سائل کو البتہ جھڑکی نہ دینا۔ (داعیٰ: ۱۰: ۹۳)

سائل عربی زبان کا لفظ ہے۔ لیکن اردو میں بھی ہر جگہ استعمال ہوتا ہے، سوال کرنے والے اور مانگنے والے کو سائل کہتے ہیں۔ اس لئے اس حکم کا مفہوم کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اللہ پاک نے اپنے بندوں کو واضح لفظوں میں حکم دیا ہے کہ سائل کو نہ جھڑکنا۔

مبارک ہیں وہ بندے جن کے در سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا۔ اللہ نے ان کو اتنا پیسہ دیا ہے اور ایسا دل دیا ہے کہ وہ ہر ضرورت مند اور محتاج سوالی کی حاجت پوری کرتے ہیں۔ اور دعائیں لیتے ہیں۔ اللہ کسی کو کسی کا محتاج نہ کرے۔ اتنا دافر دے کہ کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ اور دل بھی ایسا دے کہ انسان دوسروں کے کام آئے۔ اور لذت محسوس کرے۔ اگر ہاتھ کھلا نہیں ہے اور انسان سوالی کا سوال پورا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ پھر بھی لازم ہے کہ محبت اور عزت و احترام سے جواب دے۔ اس کا دل نہ ٹوڑے اور ذلیل و خوار نہ کرے۔ ہمارے حضورؐ (فداہ ابی دمی) کے پاس ہر طرف سے جزیہ، خراج، عشر، زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لائے چلے آتے تھے۔ غزوات و فتوحات کی وجہ سے مال کی کمی نہ تھی۔ لیکن سب کا سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور اپنے گھر فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ اکثر چوپہا بھی گرم نہ ہوتا تھا لیکن کسی کو مایوس نہ فرماتے۔ یہاں تک کہ دوسرے سے قرض لے کر بھی ضرورت والے کی ضرورت پوری کر دیتے۔ عام اعلان فرمادیا تھا کہ جو مر جائے اس کا قرض میں ادا کروں گا اور مال اس کے وارثوں کا ہو گا۔ ہمارے ملک کے ایک علاقہ کا بہت اچھا رواج ہے۔ کوئی سائل سوال کرے اور اسے کچھ نہ دے سکتے ہوں تو کہہ دیتے ہیں "بابا معاف کرو" یعنی تمہارا حق تو ہے مگر ہم ادا نہیں کر سکتے اس لئے معافی چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم میں بار بار حکم ہے: **وَإِلَى اللَّهِ حَتَّىٰ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْسُومِ** "اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہے۔" (الذہیت ۵۱: ۱۹) لیکن سوال کرنے کی اجازت صرف حد درجہ مجبوری میں ہے۔ بطور پیشہ کے بھیک مانگنا اسلام میں روا نہیں۔ نہ پیشہ ور گداگر سائلین کی فہرست میں شامل ہیں۔

## (۲۴) رشوت سے بچو

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا  
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ

”اور ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ نہ اس کو (بطور رشوت) حاکموں کے پاس پہنچاؤ۔

تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کا مال جان بوجھ کر ناجائز طور پر کھا جاوے۔“ (البقرہ ۲ : ۱۸۸)

اللہ بزرگ و برتر نے اس آیت مبارکہ میں ناجائز مال کھانے سے اور رشوت خوری سے منع فرمایا ہے۔ اگرچہ رشوت ایسی شے نہیں جسے کوئی نہ سمجھتا ہو۔ لیکن بعض لوگ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لئے یعنی جھوٹ موٹ اپنے آپ کو مطمئن کرنے اور دوسروں کی نگاہوں میں سچا بننے کے لئے رشوت کو ایسے معنی دیتے ہیں کہ حرام حلال ہو جائے۔ وہ رشوت جیسی حرام شے کو نذرانہ، انعام اور تحفہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ رشوت بہر حال رشوت ہے۔ خواہ اس کا نام کتنا ہی اچھا رکھ لو۔

ایک آدمی صاحب اختیار ہے۔ عدالت کا حاکم ہے۔ یا سرکاری و غیر سرکاری عہدیدار ہے۔ اور اس سے کسی کا کوئی کام اٹکا ہوا ہے۔ یا وہ کسی کی اچھائی برائی کا اختیار رکھتا ہے۔ اب اگر اسے کوئی شخص کچھ پیش کرتا ہے تو وہ کھلی رشوت ہے۔ اپنا کام نکلانے کے لئے وہ جو کچھ دے گا وہ نذرانہ یا تحفہ نہیں بلکہ رشوت کی فہرست میں آئے گا۔

رشوت لینا اور رشوت دینا دونوں حرام ہیں۔ رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں مجرم ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلشَّيْءُ وَالْمُرْتَشِيُّ كِلَاهُمَا فِي النَّاسِ ”رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔“ اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر حاصل کرنے کے لئے اور اپنے حق میں فیصلے کرنے کے لئے حکام کے پاس مال نہ پہنچاؤ۔

ایک دوسرے کو تحفے تحائف دینا بالکل جائز ہے، بلکہ حبیب پاک کی سنت ہے، اس سے باہمی تعلقات

اور محبت و لغت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن رشوت حرام ہے۔ رشوت دینا بھی حرام ہے اور لینا بھی حرام ہے



## (۲۵) گواہی نہ چھپاؤ

وَلَا يَأْبُ الشُّهَدَاءُ إِذْ مَا وَعَاوُ

”اور جب گواہی کے لئے بلایا جائے تو انکار نہ کرو۔“ (البقرہ ۲ : ۲۸۲)

سورۃ البقرہ کے آخری حصہ میں گواہی اور گواہوں کے بارہ میں تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ تم کسی امر واقع یا کسی وقوعہ کے گواہ ہو۔ اور تمہیں گواہی کے لئے بلایا جائے تو گواہی سے انکار نہ کرو۔ کسی کمی بیشی اور دروغی کے بغیر صحیح صحیح گواہی دے دو۔ چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمٌ قَلْبًا ۗ ط۔ تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص گواہی چھپائے گا۔ وہ دل کا گنہگار ہوگا۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اُسے

جانتا ہے۔“ (البقرہ ۲ : ۲۸۳)

اگر گواہ مقدمات اور معاملات میں گواہی نہ دیں گے تو عدل و انصاف کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور عدالتوں کے لئے ناممکن ہو جائے گا کہ وہ واقعہ کے مطابق درست فیصلے کر سکیں۔ اور مقدمات پٹھا سکیں۔ اس لئے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ اور محض مدعی و مدعا علیہ کے بیانات پر بات طے نہیں ہوتی۔ سچے گواہ عدالت کے دست و بازو ہوتے ہیں۔ ان کے بیانات سے عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گواہی سے انکار کرنا اخلاقاً اور قانوناً مجرم ہے۔ اور شرعاً بھی گناہ ہے۔

گواہی کی راہ میں عام طور پر دو باتیں رکاوٹ ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجرم کے ساتھ رشتہ داری یا دوستی کا تعلق ہو۔ اور سچی گواہی سے تعلقات خراب ہونے کا ڈر ہو۔ یا گواہ پر مدعی یا مدعا علیہ میں سے کسی کا غیر قانونی اور ناجائز دباؤ ہو۔ شریعت کہتی ہے کہ گواہی کے معاملہ میں کسی بات کو خاطر میں نہ لاؤ۔ اور کسی دباؤ میں نہ آؤ۔ مندرجہ بالا آیت کے آخر میں ارشاد ہوا ہے۔ لَا يُخْشَى كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ط۔ لکھنے والے محرر اور گواہ کو ہرگز

کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔“ (۲ : ۲۸۳)

## (۲۶) جھوٹی گواہی نہ دو

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ التَّوَدُّ

”اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔“ (الفرقان ۲۵ : ۲۶)

سورۃ فرقان میں اللہ بزرگ و بزرگ نے ”عباد الرحمن“ کے عنوان سے اپنے خاص بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں ایک اہم صفت یہ ہے کہ ”وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور اگر کہیں بیہودگی ہو رہی ہو تو وہاں سے بڑے دُفار کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔“ یعنی کسی جھوٹی گواہی اور کسی بیہودگی میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

کسی کے خلاف جھوٹا مقدمہ کھڑا کرنا یا کسی کو جھوٹے مقدمہ میں پھانس لینا یا کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا ایک برابر ہے کیونکہ گواہ ہر جیت اور سچ جھوٹ ثابت کرنے میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کوئی شخص یہ کہہ کر برائی الذمہ نہیں ہو سکتا کہ میں نے مجبوری میں جھوٹی گواہی دی ہے۔ یا یہ کہے کہ میں تعلقات سے مجبور تھا۔ یا یہ مہمانہ پیش کرے کہ سچی گواہی دینے میں نقصان کا اندیشہ تھا۔

ارشاد خداوندی ہے کہ **كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ** —  
 ”انصافاً قائم رہو۔ اللہ کے لئے سچی گواہی دو۔ خواہ اس میں تمہارا، تمہارے ماں باپ کا، اور رشتہ داروں کا نقصان کیوں نہ ہو۔“ (النساء ۴ : ۱۳۴)

افسوس ہے کہ ہم ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں سچ سے بات نہیں بنے گی۔ اور سچ بولنے سے کوئی مقدمہ نہ جیت سکے گا۔ حالانکہ یہ بات حکم الہی کے سراسر خلاف ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے۔ ”جب حق آجاتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے۔ اور باطل کے مقدر میں مٹ جانا ہی لکھا ہے“ (۱۷ : ۸۱) ایک دوسری جگہ فرمایا ہے ”ہم حق کو باطل سے ٹکرا دیتے ہیں سو اس کا گود نکال دیتے ہیں۔ اور وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔“ (۱۸ : ۲۱)

ہم سب پر فرض ہے کہ حق پر قائم رہیں۔ حق کا ساتھ دیں۔ اور حق کی گواہی دیں۔

## (۲۷) حق اور باطل کو گڈ گڈ نہ کرو

لَا تَلْبَسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ه

”حق (سچ) کو باطل (جھوٹ اور ناحق) کے ساتھ گڈ گڈ نہ کرو۔ اور سچ کو جان بوجھ

کو نہ چھپاؤ۔“ (البقرہ ۲: ۲۲)

یہ وہ حکم ہے جو صدیوں پہلے اللہ بزرگ دہرتر نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) کی زبانی ان کی قوم بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ اور پھر اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی آخری کتاب میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔ لہذا حق و صداقت کو چھپانا اور حق و باطل کو گڈ گڈ کر دینا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔

مسلمان حق کا پرستار ہے، وہ حق کا بندہ ہے، صداقت اس کی گھٹی میں شامل ہے، وہ الصادق<sup>م</sup> الامین کا امتی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ سچ جھوٹ کو، حق اور ناحق کو، اور کھے کھوٹے کو آپس میں گڈ گڈ کر دے اور یہ سب کچھ باطل ہو جائے۔ مسلمان کا مذہب تو یہ ہے کہ حلال کی کمائی میں اگر کھوڑا سا مالِ حرام بھی شامل ہو جائے تو ساری کمائی حرام ہو جائے گی۔ اور اگر پاک کھانے میں ذرا سی ناپاکی اور پلیدی گرجائے تو سارے کھانے کو پلیدی کر دے گی۔

حق و صداقت اور سچائی ایک صاف آئینہ ہے، ایک نور ہے، ایک روشنی ہے۔ جھوٹ کی ملاوٹ اسے اندھا اور تاریک کر دے گی۔ ایک مسلمان کو کسی حال میں بھی ایسا نہ کرنا چاہیے۔ اللہ پاک کے سچے نبیؐ (فداہ ابی دامی) نے فرمایا ہے الْحَقُّ يَجْلُو وَلَا يُعْلَىٰ ”حق غالب آتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔“ لہذا دل میں کسی شیطانی وسوسے کو داخل نہ کرنا چاہیے۔

ہمیشہ کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا کہو۔ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ جانو۔ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرو۔ کبھی انہیں آپس میں گڈ گڈ نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا اس کی دنیا بھی خراب ہوگی۔ اور عقبی بھی خراب ہوگی۔

## (۲۸) بُرائی کی تشہیر نہ کرو

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْدَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ الْأَمِنْ ظُلْمٍ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝

”اللہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص علانیہ بُرائی کا بیان کرے۔ سوائے اُس کے جو مظلوم ہو! اللہ سب کچھ سُنتا جانتا ہے۔“ (النساء ۴ : ۱۴۸)

بُرائی کسی طرح کی بھی ہو۔ اپنی جگہ خود ایک بُرائی ہے اور بُرا واقعہ اپنی ذات میں خود بُرا ہے۔ اب اس کی تشہیر کرنا۔ مزے لے کر دوسروں کو سُنانا یا اخباروں میں اس کے چرچے کرنا۔ اور قصوں کہانیوں کی طرح اس کی تفصیلات بیان کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اللہ تعالیٰ اس طریق کار کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ کہ کسی بُرائی کا چرچا کیا جائے اور لوگوں میں اس کی شہرت کی جائے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ بُری باتوں کو بلکہ اغوا اور روسیاهی کے گھناؤنے واقعات کو بلا سوچے سمجھے بیان کرتے پھرتے ہیں۔ اور بالکل نہیں سوچتے کہ انہیں سن کر دوسروں پر کیا اثر پڑے گا۔ جنہیں بُرائی کا پتہ نہیں وہ بھی اُس سے باخبر ہو جائیں گے۔ بھولے بھالے معصوم بچوں بچیوں کے ذہنوں پر اس سے ناخوشگوار اثرات پڑیں گے۔

بعض اخبارات کا حال یہ ہے کہ وہ چوری، ڈکیتی، اغوا، اور دوسرے ناپاک جرائم کے واقعات اس تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اور ان کی جزئیات کو اس انداز میں لکھتے ہیں کہ انجان اور بے خبر بچے بچیاں بھی ان جرائم کو سیکھ لیتے ہیں۔ اور ان کے ذہن بھی ان خبروں کو پڑھ کر خراب ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ایسی خبروں کو اچھالنے کی بجائے دباننا چاہیے۔ اور بیان کرنے کی بجائے چھپانا چاہیے۔ اگر بطور خبر کے اس کا اظہار ضروری بھی ہو تو اس طرح بیان کرنا چاہیے کہ اُس سے نفرت پیدا ہو۔ نہ کہ اشتیاق۔

## (۲۹) تعاون کہاں نہ کرو

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

” اور ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو گناہ اور ظلم (سرکشی) میں (المائدہ ۵: ۲) ”  
تعاون اور عدم تعاون کے بارہ میں اسلام کی پالیسی بالکل واضح اور دو ٹوک ہے ہر مسلمان  
مرد و عورت اور چھوٹے بڑے کو یہ اصول ہر دم اپنے سامنے رکھنے چاہیے۔ تاکہ معاشرتی زندگی بھی  
درست ہو۔ اور سیاسی ہنگاموں میں بھی اعتدال پیدا ہو۔

باہم ایک دوسرے کی مدد کرنے اور نہ کرنے کے بارہ میں احکام یہ ہیں :-

- ۱۔ تعاون کرو بر (نیکی) اور تقویٰ (پرہیزگاری) کی باتوں میں
  - ۲۔ تعاون نہ کرو اثم (گناہ) اور عدوان (ظلم اور سرکشی) کے کاموں میں
- ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ کسی کے ساتھ کسی ایسے کام میں تعاون نہ کرے جو کام گناہ  
کا ہو۔ بعض لوگ خیر خواہی کے جوش میں۔ اور امداد و اعانت کے نام پر ایسے کاموں  
میں بھی ساتھ لگ جاتے ہیں۔ جو کام اچھے نہیں ہوتے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ گناہ ہر  
حال میں گناہ ہے اور بدی ہر حال میں بدی ہے۔ خواہ وہ کسی نیت سے کی جائے۔ کسی کے  
ساتھ خیر خواہی اسی میں ہے کہ گناہ میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر گناہ میں امداد کی تو یہ اس  
سے انتہائی بد خواہی ہوگی۔

اسی طرح ظلم اور سرکشی میں کبھی کسی کے ساتھ تعاون نہیں کرنا  
چاہیے۔ اگر ایسا کیا تو یہ خود ظلم ہوگا۔ کیونکہ ظالم کو اس سے  
تقویت ملے گی۔ ظلم و ستم اور سرکشی میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا۔  
اگر آج کا معاشرہ قرآن حکیم کے ان اصولوں پر کار بند ہو جائے  
تو برائی کا خاتمہ بہ آسانی ہو جائے گا۔ اور نیکی کو پھیلنے پھولنے کا  
موقع ملے گا۔

## (۳۰) باہم جھگڑے نہ کرو

فَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

”اُپس میں جھگڑے نہ کرو (اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری سمیت ٹوٹ جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

(الانفال ۸ : ۲۶)

جو کتے پارہ کے شروع میں یہ ارشاد خداوندی موجود ہے وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا — اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور اُپس میں اختلاف نہ کھڑے کرو۔ اور اپنے اوپر اللہ کا یہ انعام یاد کرو کہ تم دشمن تھے۔ سو اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم ہدایت پاؤ۔“ (آل عمران ۳ : ۱۰۳) — جس طرح اتحاد و اتفاق اللہ کریم کا ایک انعام اور احسان ہے۔ اسی طرح کسی قوم میں یا کسی خاندان یا برادری میں کسی ملک یا کسی معاشرہ میں لڑائی، جھگڑے کھڑے ہو جانا۔ اور نا اتفاقی کا پیدا ہو جانا غضبِ الہی سے کم نہیں۔ خود اس قادرِ مطلق کا فرمان ہے۔ ”اگر تم اُپس میں جھگڑو گے اور اختلافات پیدا کرو گے تو تمہاری کمرہمت ٹوٹ جائے گی۔ تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اور تم دشمنوں کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند نہ رہو گے۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور دشمنوں پر تمہارا جورِ عب بٹھا ہوا ہے وہ اٹھ جائے گا۔

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی غیر مسلم تو میں مسلمانوں سے ڈرتی ہیں۔ ان کی قوت کا لوہا مانتی ہیں۔ لیکن جب بھی اور جہاں کہیں بھی اُپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے نہ دوسروں پر رعب باقی رہتا ہے نہ اپنے اندر حوصلہ باقی رہتا ہے۔ اُپس میں کسی اختلاف کا پیدا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں بشرطیکہ اسے جلدی دُور کر لیا جائے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا: ”پھر اگر کسی امر میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو جائے تو اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو کہ یہ بہتر ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔“ (النساء ۴ : ۵۹)

## (۳۱) اپنی خطا دوسرے کے سر نہ تھوپو

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ اتَّمَاثًا مِّمَّيْنِمْ بِهِ بَرِّئَ يَدَايَ فَمَنْ يَكْسِبْ  
بِمَثَانَا وَاتَّمَاثًا مِّمَّيْنَاهُ

”اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ تو خود کرے۔ لیکن اس کا الزام کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے تو گویا اس نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔“ (النساء: ۱۱۲)

لفظ ”بہتان“ عربی اردو دونوں زبانوں میں رائج ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی کے ذمے کوئی ایسی بات لگا دینا جس سے اس شخص کا کوئی تعلق نہ ہو۔ لیکن اس پر اس کا الزام لگا دیا جائے۔ اور یونہی کسی بے گناہ پر تہمت لگا دی جائے۔ کسی پر بہتان لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ شریعت نے اس کی بھاری سزا مقرر کی ہے۔ جسمانی سزا کے علاوہ اسے گواہی دینے سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ یعنی کوئی عدالت اس کی گواہی کسی بات میں قبول نہ کرے گی۔ سوچئے کسی انسان کی اس سے بڑی ذلت اور رسوائی کیا ہو سکتی ہے؟

اس آیت مبارکہ میں بہتان اور تہمت سے بھی بڑے جرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی نامراد غلطی تو خود کرے۔ لیکن اسے کسی معصوم اور بے گناہ کے سر تھوپ دے۔ خود جرم کرے لیکن کسی بے قصور پر اس کا الزام لگا دے۔ اسلامی معاشرہ میں یہی کچھ کم نہ تھا کہ گناہ تو خود کیا اور اپنے آپ کو سزا کا سزا دار بنایا لیکن اس نے اپنا گناہ دوسرے بے گناہ کے ذمے ڈال دیا۔ اس طرح ایک مزید جرم کا ارتکاب کیا۔

ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سچی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ وہ خطا پوش اپنے اس بندہ کو پسند کرتا ہے جو اپنی غلطی کو غلطی سمجھے، اُسے مان لے اور آئندہ اس سے باز رہنے کا عہد کرے۔ اسی کا نام توبہ ہے۔ اپنی خطا پر توبہ کرنا۔ اور اپنی غلطی کو تسلیم کر لینا۔ بہت بڑی بہادری ہے لیکن اپنی غلطیوں پر اڑے رہنا۔ اور گناہ کو گناہ نہ سمجھنا بڑی بد بختی اور محرومی کی بات ہے۔ اور اپنی غلطی دوسرے کے سر تھوپنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔

## (۳۲) اجازت کے بغیر داخل نہ ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْأَلُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا

”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اہل خانہ کی اجازت لئے بغیر اور انہیں سلام کے بغیر داخل نہ ہو کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ (النور ۲۴ : ۲۷)

اس کے ساتھ ہی دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: ”اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ۔ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے۔ کسی کے گھر میں مت داخل ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت اجازت نہیں (واپس چلے جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔“ (۲۴ : ۲۸)

ہمارے بعض مسلمان بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ ”اجازت لے کر داخل ہونا“ جدید مغربی تہذیب نے سکھایا ہے۔ وہ خود سوچیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الہی سے یہ بات چودہ سو سال پہلے ہی مسلمانوں کو بتلا دی تھی۔

مندرجہ بالا عمومی احکام تھے۔ اب خاص طور پر بچوں کے بارہ میں حکم الہی ملاحظہ کیجئے **وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ**۔ ”جب تمہارے لڑکے جوان (بالغ) ہو جائیں تو انہیں بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جس طرح ان سے اگلے (بڑی عمر والے) اجازت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔“ (النور ۲۴ : ۵۹) ان آیات سے جو حکم نکلتے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے :- (۱) کسی کے گھر داخل ہونے سے پہلے وہاں ضروری ہیں۔

۱۔ (الف) پہلے اجازت حاصل کرنا (ب) اجازت کے بعد سلام کر کے داخل ہونا۔

(۲) اگر اجازت نہ ملے تو دل میں کوئی میل لائے بغیر خوشی سے واپس ہو جانا۔ (۳) اس صورت میں اجازت اور بھی ضروری ہے جبکہ گھر میں کوئی مرد موجود نہ ہو۔ (۴) بچے جب جوان ہو جائیں تو وہ بھی بڑوں کی طرح اجازت لے کر گھر میں داخل ہوں۔ یہ غیر گھر کی بات تھی۔ اپنے گھر میں بھی سیدھے دیخ نہ آنا چاہیے کیا پتہ کوئی کیسے بیٹھا ہے؟ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر محرم مہمان یا ہمسائی گھر میں ہو۔



## (۳۳) فساد نہ مچاؤ

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝

”اور اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“ (المائدہ ۵: ۶۴)

یہی نہیں کہ اللہ بزرگ و برتر فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا ارشاد ہے  
 إِنَّ اللَّهَ لَا يُصَلِّحُ عَمَلِ الْمُفْسِدِينَ ۝ ”یقیناً اللہ فساد کرنے والوں کے کام نہیں سنوارتا۔“ (یونس ۱۰: ۸۱)  
 یعنی ان کی تدبیریں اور سکیمیں بامراد نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے کہ اللہ کو درستی اور بہتری مطلوب  
 ہے خرابی نہیں۔ خالق کائنات اصلاح و تعمیر چاہتا ہے، فساد اور تخریب نہیں۔ زمین و آسمان  
 کے مالک کی خوشنودی اس دامن میں ہے، بدامنی اور فساد میں نہیں۔ چنانچہ اس نے واضح لفظوں  
 میں ہدایت فرمادی ہے۔

لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ”ملک میں اصلاح کے بعد خرابی و فساد نہ کرنا۔“  
 (الاعراف ۷: ۵۶) کوئی پرندہ اپنا گھونسل نہیں توڑتا۔ اور کوئی مالی اپنا باغ اجاڑنا گوارا نہیں  
 کرتا۔ کوئی کاہل نے دالا اپنے کارخانہ کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر زمین و آسمان کا مالک اور ارض و  
 سما کا خالق کیسے پسند کر سکتا ہے کہ اس کی مخلوق خرابی میں پڑے۔ اور اس کے بندے بدامنی اور  
 فتنہ و فساد میں گرفتار ہوں۔ اس کا دو ٹوک اعلان ہے وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ”اور  
 فتنہ قتل سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔“ (البقرہ ۲: ۱۹۱)

اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ کے پہلے ہی پارہ میں فتنہ و فساد کرنا منافقوں کا کام بتلایا ہے۔  
 فرمایا ہے کہ منافق فساد مچاتے ہیں اور اس کا نام اصلاح رکھتے ہیں۔ ان کا لائحہ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ  
 تعمیر کے نام پر تخریب، اصلاح کے نام پر فساد، اور امن کے نام پر فتنہ پوری کرتے ہیں۔ وَإِذَا قِيلَ  
 لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ — اُدْحِيبُوا ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کرو  
 تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرتے ہیں۔ تم خوب یاد رکھو کہ وہی فساد ہی ہیں۔ لیکن انہیں  
 شعور نہیں۔“ (البقرہ ۲: ۱۱ و ۱۲)

## (۳۴) دین میں تفرقہ نہ ڈالو

إِنَّ الَّذِينَ فَتَرُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شَيْعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا  
أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا۔ اور کسی فرقوں میں بیٹ گئے۔ (اسے نبی!) تمہیں ان لوگوں سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ بس اللہ کے حوالے کر دو۔ پھر وہ ان کو بتادے گا جو کچھ وہ کرتے

رہے ہیں۔ (الانعام ۶: ۱۵۹)

اسلام ایک مکمل دین ہے جس کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔ ایک توحید۔ دوسرے رسالت۔ شروع سے دین کے یہی اصول رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہر نبی اور ہر رسول نے انہیں دو اصولوں کی دعوت دی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے بھی اسی حکم کی تلبی تصدیق ضروری ہے۔ اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اس کے سوا کسی کی ذات عبادت اطاعت و فرمانبرداری) کے لائق نہیں۔ اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔“ ان کا دین آخری دین ہے۔ ان کی لائی ہوئی کتاب (قرآن مجید) آخری آسمانی کتاب ہے۔ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد چھوٹا بڑا کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دین کی تعلیمات اور تفصیلات ایک ہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو فقہ کی باتوں میں ہے۔ لیکن اس فرق سے دین اور مذہب نہیں بدل جاتا۔ مثلاً اہل سنت والجماعت فقہ کے چار ائمہ کو مانتے ہیں امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ پھر خود امام اعظمؒ کے دو بڑے شاگرد ہیں۔ امام یوسفؒ اور امام محمدؒ۔ ان سب نے فقہ کے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے لیکن کوئی کسی کو دین سے باہر یا ایمان سے خالی نہیں سمجھتا۔ اور خود وہ بھی واضح اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی عزت کرتے رہے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں۔

اب ہم پر بھی لازم ہے کہ معمولی معمولی اختلافات کے سبب آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں اور اپنی طرف سے نیادین نہ گھڑ لیں۔ اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہیں۔

## (۳۵) دین سے مذاق کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو

اِنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَ یُسْتَهْزَءُ بِهَا فَلَآ تَعْدُوا  
مَعَهُمْ حَتّٰی یُخْرِضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ اِنَّكُمْ اِذَا مَثَلْتُمْ

”جب تم (کہیں) سُنو کہ احکامِ الہی کا انکار ہو رہا ہے۔ اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔ جب تک وہ اور باتیں نہ کرنے لگیں۔ ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔“

(المناد ۴ : ۱۴۰)

اس آیت کے ذریعہ بالکل صاف لفظوں میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم دیکھو کہ کسی مجلس میں کہیں کوئی بد بخت احکامِ الہی کا مذاق اڑا رہا ہے اور دین کی باتوں کا ہٹھا کر رہا ہے یا اسلامی شعائر کی توہین کر رہا ہے تو اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہو۔ اور ان بے ادب لوگوں کی صحبت سے کنارہ کرو۔ جب تک وہ بیوقوف باتوں سے باز نہ آجائیں۔ اور بات کا موضوع نہ بدل لیں تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔

اگر ایسے لوگوں سے کنارہ کشی نہ کی جائے اور فیصلہ تعلق نہ کیا جائے تو بڑا خطرہ یہ ہے کہ انسان خود بھی ڈانواں ڈول نہ ہو جائے۔ اور انہیں کے رنگ میں نہ رنگا جائے۔ چونکہ دیکھا گیا ہے کہ انسان جیسی صحبت میں رہتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر انسان جی کڑا کر کے اپنے دین دایمان کو بچانے کی کوشش بھی کرے تو کم از کم دیکھنے والے تو یہی سمجھیں گے کہ ابھی انہیں لوگوں کا ہم خیال اور ہم عقیدہ ہو گیا ہے۔

ہمیں اپنے اندر دین کے لئے غیرت یاد کرنی چاہیے۔ اور ہرگز ایسے لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے جو دین کی باتوں کا ہٹھا کرتے ہیں! حضور کی سنت کی توہین کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے اندازِ بیان اور محاوروں کو بھی اپنی تحریر اور گفتگو سے خارج کر دینا چاہیے جن سے دین کی سبکی کا پہلو نکلتا ہو۔ نہ ایسے نام رکھنے چاہیں جو دشمنانِ دین کے ناموں سے نسبت رکھتے ہوں۔

## (۳۸) سُودِ لَیْنِ دَیْنِ نَهْ کَرُو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بِوَالٍ مُّضَعَفَةً

”اے ایمان والو! سُود نہ کھاؤ۔ دو گنا اور چو گنا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ اور دوزخ کی آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے (آل عمران ۳ : ۱۳۰) ایک دوسری آیت میں فرمایا:۔

حَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

”اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔ اور سُود کو حرام کر دیا ہے۔ اور جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سُود لینے دینے سے) باز آ گیا۔ تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا ہے۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو کوئی پھر سُود لینے لگ گیا۔ تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔“ آگے فرمایا ”اللہ سُود کو نابود کرتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے“ (البقرہ ۲ : ۲۷۵، ۲۷۶) ایک تیسری آیت میں سُود خوروں کے بارہ میں یوں فرمایا:

وَمَا أَنْتُمْ مِّنْ رَّابِئِن رِّبَا بِلِئَامِ بَلِئَاتٍ أَمْوَالِ النَّاسِ

”اے سُود خور لوگو! اور تم جو سُود دیتے ہو۔ (اس لالچ سے کہ اس سے) لوگوں کے مال میں اضافہ ہوگا (تو یاد رکھو) سُود اللہ کے ہاں پھلتا پھوتا نہیں (اس کے برعکس) تم جو زکوٰۃ دو گے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تو اس میں چند در چند اضافہ ہوگا (سورہ روم ۳۰ : ۳۹) سُود کے بارہ میں آخری دو ٹوک حکم پڑھیے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جو سُود باقی ہے اُسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان دلے ہو اور اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو۔ تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ (البقرہ ۲ : ۲۷۸، ۲۷۹) اس قدر واضح حکم کے بعد سُودی کاروبار اور سُودی لَیْنِ دَیْنِ کے حرام ہونے کے بارہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

## (۳۹) مانپ تول میں کمی نہ کرو

اقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝

» انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو۔ اور تول ترازو میں کمی نہ کرو (الرحمن ۵۵: ۹)

ناپ تول تک اندر دیا ننداری برتنے کے بارہ میں ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد ہوا ہے:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ

اور لوگوں کو ان کی چیزیں (جو وہ تم سے خریدیں) کمی سے نہ دو۔ (الشعراء ۲۶: ۱۸۳)

اسی طرح فرمایا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ

پیمانے اور ترازو میں خرابی پیدا نہ کرو۔ (هود ۱۱: ۸۵)

قرآن مجید کی مشہور سورۃ الرحمن میں ارشاد ہے اَنْ لَا تَطْفُوا فِي الْمِيزَانِ ۝ ترازو سے

تولنے میں حد سے تجاوز نہ کر۔ (۹: ۵۵)

ناپ تول میں کمی بیشی سے بچنے اور پرے پرے انصاف کے ساتھ مانپ تول کرنے کے بارہ میں صاف

صاف حکم ہے اور ایک جگہ نہیں۔ میں مختلف سوزوں میں موجود ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۝ انصاف کے ساتھ مانپ تول پوری کرو۔

(الاعراف ۷: ۸۶ انعام ۶: ۱۵۳ ہود ۱۱: ۸۵)

غور کیا اپنے کس طرح الفاظ بدل بدل کر اور مختلف طریقوں سے ایک ہی حکم کو بار بار دہرایا

ہے تاکہ کلمہ گو مسلمان خوب ذہن نشین کر لیں۔ کہ ترازو اور پیمانے کی خرابی نا انصافی کے برابر ہے۔

اور کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ ایسے جرم کا ارتکاب کرے۔

اللہ بزرگ و برتر کی یہ تشبیہ آنکھیں کھل دینے کے لئے کافی ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا كَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ —

» خرابی اور بربادی ہے مانپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں۔

اور جب دوسرے لوگوں کو ناپ تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا نہیں اس بات کا خیال نہیں کہ (قیامت کے)

بڑے دن اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے۔ (التطفیف ۸۳: ۲۷)

## (۴۰) کسی کو قتل نہ کرو

لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ، إِلَّا بِالْحَقِّ ط

”کسی شخص کو قتل نہ کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دے دیا ہے۔ مگر حق کے ساتھ

(جس کا حکم شریعت نے دیا ہے) (الانعام ۴ : ۱۵۱)

کسی انسان کا دوسرے انسان کے ہاتھوں مارا جانا اسلامی شریعت نے حرام کر دیا ہے۔ ہوائے اس صدمت کے کہ کسی جرم کی سزا میں حکومت کی طرف سے سزائے قتل دی جائے۔ جس کی وضاحت اس آیت میں کر دی گئی ہے۔ وَ سَنُ قَتِلُ مَنْظُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّهِ سُلْطَانًا۔ ”اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے۔ تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے۔“ گراس کے ساتھ ہی فرما دیا ”اسے چاہیے کہ قتل کے بدلہ میں زیادتی نہ کرے۔“ (النساء ۴ : ۹۲) — ایک مسلمان کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کا قتل اسلام کے اندر تصور سے

باہر ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ کی گواہی ہے :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً ط۔ ”اور کسی مؤمن کے شایاں نہیں کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو قتل کر دے۔ مگر غلطی اور بھول سے۔ اور جو بھول کر بھی قتل کر دے تو اس کے فدیہ میں ایک غلام مسلمان کو آزاد کرے۔ اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے۔ الا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔“ آگے چل کر فرمایا: ”اور جس شخص نے کسی مسلمان کو دانستہ قتل کر دیا۔ اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ گرفتار رہے گا۔ اور اس پر غضب الہی ہوگا۔ اللہ کی لعنت ہوگی (رحمت سے محرومی) اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار کیا گیا ہے۔“ (البقرہ ۲ : ۹۲ و ۹۳)

اسلامی شریعت نے ایک مسلمان کی جان، مال، اور آبرو کو ہر شے سے زیادہ واجب الاحترام قرار دیا ہے۔ اس پر ہر مصلحت والے کی سزا شدید ترین مقرر کی ہے۔ حضور رحمت عالم (فداہ ابی داعی) نے فرمایا۔ ”جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ وہ ہم میں سے نہیں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حد تک احتیاط واجب قرار دی ”کہ کسی مسلمان کی طرف کسی تیز دھار آلہ سے اشارہ بھی نہ کرو۔“

## مسلمان کا دہی۔ لاہور

### اہم مطبوعات

## طِبُّ نَبَوِی

اپنے موضوع پر اردو ادب میں ایک منفرد کتاب جو صحت، حفظانِ صحت، بیماری اور بیماری کا فلسفہ، علاج معالجہ، معالجاتِ نبوی، حضور کی اغذیہ اور دوسرے متعلقہ عنوانات پر احادیثِ نبوی کا ایک جامع اور مکمل مجموعہ ہے۔ لاک کے تمام مقدّمہ اخبارات و رسائل اس پر شائد از سب سے لکھ چکے ہیں۔ (جلد درنگہ گروپوش ہدیہ ساڑھے چار روپیہ)

## اربعینِ نبوی

مشہور محدث حضرت امام نودی رحمۃ اللہ علیہ کی منتخب چالیس احادیث کا مجموعہ۔ جس میں عقائد و اعمال، اخلاق و عبادات اور مختلف مسائلِ حیات سے متعلق احادیث موجود ہیں۔  
"اربعینِ نبوی" کا مقدمہ پورے اہتمام کے ساتھ نہایت مبسوط اور جامع طور پر مرتب کیا گیا ہے۔ علمِ حدیث کے عام شائقین، کالجوں کے طلباء اور عوام و خواص کے لئے "اربعینِ نبوی" ایک بہترین تحفہ ہے۔ (ہدیہ صرف ایک روپیہ ساڑھے پیسے)

## اشاریہ تفسیر ماجدی

مشہور زمانہ تفسیر ماجدی کی ساتوں جلدوں کا مکمل انڈکس جس میں تمام الفاظ و مضامین اور اسماء و اماكن کے حوالے موجود ہیں۔ لکھائی چھپائی اور سائز مطابق تفسیر ماجدی ہدیہ صرف تین روپیہ۔